مظہر اندر فکر تاریخ ولادت رفتہ بود — عقل گفتا این لعل از کان شرافت آمدہ

تاریخ مدار المہامی نواب میر لائق علی خان مرحوم در سرکار عالی ۱۳۰۱

دوش پرسیدم زعقل چند سوال — کو ست حلال مشکلات عقد

گفتمش کے بود کہ شاہ دکن — بنشیند بہ مسند آب و جد

گفت جشن جلوس فرخ او — در ہزار ست و سی[۳۰] صد و احد

گفتمش پس کہ باشدش دیوان؟ — قرعہ بر لائق علی خان زد

گفتمش سنگہا دریں راہ ست — گفت زود اکہ حق بخواہد سد

گفتمش خواجہ کے شود دیوان؟ — گفت حق تیر سد بمرکز خود"

تاریخ بناء مرمت مسجد مولینا حاجی ابراہیم حسین صاحب انصاری ۱۳۰۱ اثنا عشری پانی پتی دام ظلہم العالی

جعفری[لہ] مذہبے بنا فرمود — بیت حق را کہ اعظم ست قدیم

خبرش داد ملہم صادق — کرد تعمیر کعبہ ابراہیم

لہ بانی مسجد یعنی مولانا ابراہیم حسین صاحب کے والد کا نام اعظم علی اور ان کے چچا کا نام جعفر علی اور دادا کا نام صادق علی یہ تینوں نام اور خود بانی کا نام قطعہ تاریخ میں نہایت خوبی سے آیا ہے +

تمام شد

محمد شریف کاتب
امین آباد

گفت سال وفات او مظہر — رفت عالمؔ بہ جنت ابدی ۱۲۹۴ھ

تاریخ وفات حافظ سعد اکبر مرحوم بانی مدرسہ اسلامیہ پانی پت

چو سعد اکبر آں یاری گر قوم — کہ مر اہل وطن را بود یاور

سوئے جنت ز دنیا رخت بر بست — ازیں غم تافت دلہا ہمچو آذر

دریغ آں نیک خواہ جملہ احباب — دریغ آں غمگسار ہر برادر

دریغ آں درس گاہ اہل اسلام — کہ ماند از مردنش بے برگ و بے بر

چنیں سال وفاتش یافت مظہر — شدہ جنت مقام سعد اکبر ۱۳۰۱ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور نواب آصف جاہ نظام الملک میر محبوب علی خان بہادر دام اقبالہ فرمانروائے دکن

شاہ دکن چوں نہاد حسب مراد عباد — افسر دولت بہ فرق پائے بر اورنگ داد

سال جلوسش خرد گفت کہ بے سر شدہ — فتنہ و فسق و فجور شر و فریب و فساد

ایضاً

عیاں شد چو عید جلوس نظام — بسے خوشتر از عید وصل حبیب

غرو فرق اعدا تراشیدہ گفت — کہ نصر من اللہ و فتح قریب ۱۳۰۱ھ

تاریخ ولادت فرزند ارجمند در کاشانہ اقبال حضور نظام دام اقبالہ

شدہ چو خورشید و شرف طالع بمشکوی نظام — قدسیاں گفتند شمع ملک و دولت آمدہ

لہ مولوی قلندر علی مرحوم عالم تخلص کرتے تھے ۱۲

تاریخ وفات مہین برادر راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص بہ مظہر
سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

یہ تاریخ برادر زادہ راقم حافظ اخلاق حسین سلمہ تعالےٰ نے اپنے والد مرحوم کی وفات سے چند روز بعد عین تلاوت کے وقت قرآن مجید سے اقتباس کی تھی جس سے بے کم و کاست سال وفات برآمد ہوتا ہے چونکہ یہ مادہ ندرت سے خالی نہ تھا اسلئے بوجہ اتحاد کے اپنی تاریخوں کے ساتھ اس تاریخ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے یہ تاریخ برادر مرحوم کے سنگ مرقد پر جو کہ دلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے جوار رحمت میں واقع ہے کندہ ہے۔

قطعات تاریخ از نتائج طبع جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص بہ مظہر

چونکہ برادر مرحوم کی بہت سی تاریخوں میں سے یہ قطعے باقی رہ گئے تھے اور انکی اشاعت کے لئے کوئی اور موقع نہ تھا اس لئے بطور یادگار ان کو بھی اپنے دیوان میں شامل کر لیا گیا ہے

تاریخ وفات جناب مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی غفر اللہ لہٗ متخلص بہ عالم

آں قلندر علی وحید زماں ۔۔۔ در نجابت زبیری و سندی

خاک پانی پت از سکونت او ۔۔۔ در جہاں شد علم بہ مستندی

مرد و باخویش برد حکمت و علم ۔۔۔ ماند خلقے بہ کوئے نابلدی

جز دلِ او کہ بود جملہ صفا ۔۔۔ نقد ہر کیسہ جید ست و ردی

جز کتابش[1] کہ بد ہمہ حسنات ۔۔۔ درج ہر نامہ نیکی ست و بدی

---

[1] کتاب سے مراد نامۂ اعمال ہے ۱۲

یہ تاریخ ایک دوست کی فرمایش سے جو اُس وقت بہاولپور میں ملازم تھے بھیجی گئی۔ مگر ایسا سُنا گیا تھا کہ پسند نہیں آئی۔ نہ اِس لئے کہ اِس میں دو جگہ اپنی طرف سے تصرف کیا گیا ہے بلکہ اِس لئے کہ نواب صاحب کا نام اِس میں نہیں تھا۔

تاریخ ولادت فرزند در حرم سرائے نواب آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

لِحَاشَ اللّٰہِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ

اِس آیت سے سنین مطلوبہ یعنی ۱۳۰۰ھ اِس طرح نکلتے ہیں کہ آیت کے جملہ اولیٰ یعنی لحاش اللہ ما هٰذا بشرًا کے اعداد ۱۶۵۴ ہیں۔ اِن میں سے هٰذا کا تخرجہ اور ملک کریم کا بجائے اُس کے تعمیہ کرنے سے ۱۳۰۰ حاصل ہو جاتے ہیں۔ تخرجہ و تعمیہ کا اشارہ گویا اِن هٰذا الّا ملک کریم سے نکلتا ہے۔ کیونکہ اِس جملے کا ترجمہ اگر یوں کیا جائے کہ نہیں ہے "هٰذا" مگر ملک کریمؔ تو اِس سے یہ مطلب مستفاد ہوگا کہ اوپر کے جملے میں هٰذا کی جگہ ملک کریمؔ رکھ دو اور اِس طرح ۱۳۰۰ حاصل ہو جائیں گے۔

اصل آیت میں حاش اللہ ہے بضرورت لام اضافہ کر کے لحاش کر دیا گیا ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے (حاشا اللہ یہ بشر نہیں ہے یہ تو ہو نہ ہو کوئی معزز فرشتہ ہے) جو عورتیں زلیخا کی فریفتگی پر اُس کو ملامت کرتی تھیں۔ جب حضرت یوسفؑ دفعۃً اِن کے سامنے آئے تو اُس وقت جو الفاظ اُن کے مُنہ سے نکلے تھے۔ اُن کو قرآن میں اِس طرح نقل کیا گیا ہے۔

کے کنگن" بجائے مضارع کے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ گویا اِن کی مغفرت ہو چکی اور اہل جنت کے تمام حقوق اُن کو مل چکے۔

یہ عجب حسنِ اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی تاریخ وفات قرآن مجید سے برآمد ہوئی۔ اور پھر ایک ہی صورت یعنی سورۂ دہر سے نکلی اور دونوں آئتیں اہل جنت ہی کے ذکر میں واقع ہوئی ہیں +

تاریخ بنائے آئینہ خانہ در ریاستگاہ بھاولپور

کانہ صرح ممرد من القواریر
۱۲۹۶

قرآن مجید میں اصل آیت "اِنّہٗ صَرحٌ ممرد من قواریر" ہے تاریخ میں بضرورت تکمیل اعداد اور نیز بمقتضائے مقام انہ کی جگہ کانہ کر دیا گیا ہے۔ مگر چونکہ اس سے بھی اعداد پورے نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے قواریر میں الف لام بڑھا کر القواریر کر دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں جب سبا کی بادشاہزادی بلقیس اول ہی دفعہ وارد ہوئی تو اُن کو شیش محل کے صحن پر جس میں آئینے لگے ہوئے تھے یہ گمان ہوا کہ گویا پانی بھرا ہوا ہے اُس نے فوراً پائینچے چڑھا لئے حضرت سلیمان نے کہا "انہ صرح ممرد من قواریر" یعنی یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ تاریخ بنا میں انہ کی جگہ کانہ کر دینے سے یہ معنی ہو گئے کہ گویا یہ وہی سلیمان کا شیش محل ہے +

تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

تاریخ وفات غفران مآب نواب محمد مصطفےٰ خاں مرحوم دہلوی رئیس جہانگیر آباد و متخلص بہ حسرتی و شیفتہ

جزاھم بما صبروا جنّات وحریرا

اِس آیہ قرانی میں بما صبروا جنۃ وحریرا ہے۔ چونکہ تاریخ وفات میں ایک عدد کی کمی رہتی تھی اِس لئے جنۃ کی جگہ جنات کر دیا گیا ہے جیسا کہ نواب آصف الدولہ کی مشہور تاریخ میں بجائے فروحٌ و ریحان جنت نعیم کے فہما روح و ریحان جنات النعیم کر دیا ہے۔ چونکہ نواب مرحوم نے مرض الموت میں مرض کے شدائد و آلام بنظیر صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کئے تھے۔ اِس لئے اس آیت کا مضمون اُن کی وفات کے نہایت مناسب تصور کیا گیا۔ یعنی جناب باری نے بعوض اُن کے صبر کے بہشت اور بہشت کا لباس اُن کو عنایت کیا

تاریخ وفات نواب محمد نقشبند خان مرحوم ولد اوسط نواب محمد مصطفےٰ خان مرحوم رئیس جہانگیر آباد

وَحُلُّوا اساور من فِضّۃ

چونکہ عزیز موصوف ایک وجیہ و شکیل آدمی تھے اور اُن کی وفات عنفوان شباب میں واقع ہوئی تھی اس لئے یہ آیت اُن کی تاریخ وفات کے لئے نہایت مناسب اور موزون سمجھی گئی۔ اللہ تعالےٰ اہل جنت کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہے کہ پہنائے گئے اِن کو چاندی

تاریخ طبع ترجمہ تاریخ دربار قیصری بحساب سال عیسوی

پنجاب کے ادارہ تعلیم عام نے — ایک اور کام ملک کے حق میں کیا ہے خوب
دربار قیصری کی جو تاریخ تھی چھپی — اب ترجمہ اسی کا مرتب ہوا ہے خوب
ہیں لفظ دلکشا تو مضامین ہیں دل نشین — ہے ترجمہ نفیس تو طرز ادا ہے خوب
چھپ کر ہوا تمام تو عالی نے یوں کہا — "دربار قیصری کا مرقع چھپا ہے خوب"
۱۸۸۲ء

تاریخ بنائے مہمان سرا در موضع مون واقع پنجاب بحساب سال عیسوی

بحر کرم آن وزیر چند کہ باقی ست — نام بزرگان مون ز بذل و نوالش
ساختہ منزل گہے چو بہر غریباں — تکیہ گہ گوہر غریب آمدہ سالش
۱۸۷۷ء

سررشتہ ہیہات دادم ز دست — سخن ز آسمان بود رفت از زمین
کنوں راتم از طبع دیوان سخن — کہ شد جلوہ فرما بہ نوعے گزیں
دریں روزہا کز صروف زماں — سخن شد مہان و سخنور مہیں
عروسِ سخن می نیر زد بہ جو — بہ حسن ار بود غیرتِ حورِ عیں
صدا باد بر عاشق و عزم او — کہ در دور ناسازگاری چنیں
ز معنی بہ بیگانہ و آشنا — فشاند ست گنجینہ از آستیں
چو دیوانِ اردوی عاشق کہ ہست — صنم خانۂ طرفہ گفتی نچیں
بہ پیرایۂ طبع آراستند — شنید ندا از ہر کنارہ آفریں
سخن کش نبود ارزشے در جہاں — ز شادی نہ گنجید در پوستیں
چو حالی ہمے جست تاریخ طبع — صنم خانۂ عاشق آمد بنیں
۱۳۰۷ھ

تاریخ بنائے چاہ در محوطۂ مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڈھ بحساب سال بعثت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم بحسن سعی جناب آنریبل سر سید احمد خاں بہادر

ہدایت کیجئے گر سال ہجرت کی محرم سے — تو کہیئے سال بعثت کا مہ شوال کو مبدا
کلام اللہ۔ اترا آخرِ ماہ مبارک میں — ہوا اس واسطے شوال مبدا سال بعثت کا
نکالے یہ مبارک سن جناب سید احمد نے — بنایا جس نے دار العلم کا یہ چشمۂ زیبا
زرو ئے سال بعثت چونکہ تھی تاریخ کی خواہش — کہا ہاتف نے حالی سے کہ "چشمہ فیض احمد کا"
۱۳۱۲ھ

جو قیمت پوچھے تو ہے بہت سہل	نہ دینار اس میں لگتے ہیں نہ درہم
اگر نام اس کا تاریخی ہو مطلوب	تو ہے اے طالبو اکسیر اعظم ۱۳۰۲

تاریخ رحلت نواب ضیاءالدین احمد خان مرحوم دہلوی

دردا کہ ضیاءالدین احمد بربست	رخت سفر از جہاں کہ جائے الم ست
از طاق و ز ایوان و ز بزم و جلسا ۹۲۹ ۱۱۰ ۹۸ ۴۹	بگسست و برحمت الٰہی پیوست ۶۹۴

تاریخ طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص بہ عاشق

جہاں مرد آزادۂ عاشق نیست	ندا قران خود کس مرا و را قریں
نہ صیاد و ہموارہ از حسن خلق	پے صید آزادگان در کمیں
نہ سحار و پیوستہ ز افسون نطق	کشد ز آشیان باز و شیر از عریں
ہمہ یار دار جبہ اش انبساط	اگر مہربان ست وگر خشمگیں
نہ بینش گہ سر کہ برابر داں	نہ یابیش افتادہ چین بر جبیں
دو سال ست کافسون مہر و وفاش	ربودست صبرم ز جان حزیں
ولے دیر پیوند نا آشنا	کہ بودست فارغ ز مہر و ز کیں
ندانم کہ عاشق چہ افسون دمید	کہ در باخت خود را بمہرش چنیں

لہ یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ ۹۲۹ میں سے جو کہ ضیاءالدین احمد کے اعداد ہیں ۳۲۱ جو کہ طاق - ایوان بزم اور جلسا کے اعداد کا مجموعہ ہے۔ تخرجہ کرکے باقی ۶۰۸ کو ۶۹۴ میں جو کہ رحمت الٰہی کے اعداد میں ملانے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتے ہیں اور یہی نواب مرحوم کا سال وفات ہے، مختصر صورت تاریخ کی یہ ہے ۹۲۹-(۱۱۰+۶۸+۴۹+)۶۰۸×(۶۹۴)=۱۳۰۲ھ -

تاریخ بہ پایان رسیدن بنائے سید مہربان علی مرحوم رئیس گلاؤٹھی در بلند شہر

علی آن سیدِ والا کہ باشد | بنامش مہرباں جز وے زا جزا
بود با ذات او قوام سیادت | چنان کز نام او مہرست پیدا
چو این کاشانہ را بنیاد بنہاد | بعہدِ حاکم بیدار و دانا
گروس آن فیض گستر کز وجودش | شد این معمورہ چوں گلشن سراپا
چنیں گفتمش حالی سال تعمیر | مکان بے نظیر آباد بادا
۱۲۹۹ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک میر محبوب علی خان بہادر فرماں روائے ملک دکن

بہ سال فرخ و ماہِ سعید و روز فرخندہ | نظام الملک محبوب علی خاں آصف ثانی
بتختِ سلطنت بنشست حالی گفت تاریخش | برائے وے مبارک تاج و اورنگ جہانبانی
۱۳

تاریخ تالیف قواعد اردو مولفہ خواجہ شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

قواعد ہے یہ اردو کی کہ جس کا | بیان شافی ہے اور ترتیب محکم
کتابیں اس سے پہلے تھیں بہت سی | زیادہ حجم میں اور نفع میں کم
مگر یہ مختصر ہے اک رسالہ | کہ ہیں جس میں قواعد سب فراہم
وجود اس کا ہے گو سب سے مؤخر | یہ خوبی میں ہے اکثر سے مقدم

اس قافلے میں آکے ملا گو وہ سب کے بعد | اگلوں کے ساتھ ساتھ مگر رہ نورد تھا
ہم اور صبح و شام یہ اندوہ جاں گزا | دل تھا کہ فکر سال میں بے صرفہ گرد تھا
ناگاہ دی یہ غالب مرحوم نے صدا | سچ ہے کہ خواجہ راہنمائی میں فرد تھا
تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیر فکر | حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
۱۲۹۶

تاریخ وفات محمد ابراہیم جوان مرگ طالب علم بی اے کلاس دہلی کالج

محمد ابراہیم چوں ترک جان گفت | زنخلِ جوانی ثمر بر نخوردہ
بگفتم زرو ئے الم سال فوتش | بجاں آفریں جانِ شیریں سپردہ
۱۲۹۲

تاریخ وفات سید خواجہ ناصر وزیر مرحوم دہلوی

جب ہوئے ناصر وزیر راہی ملک بقا | سب ہوئے اندوہگین شہر کے برنا و پیر
دل نے کہا ہر جگہ بھبتی ہے چیز اک جدا | باغ میں نسرین و گل، چرخ پہ مہر منیر
عیش میں شعر و غزل سوگ میں تاریخ مرگ | غیب سے آئی ندا "خلد میں ناصر وزیر"

تاریخ طبع جغرافیہ بیمثال مؤلفہ خواجہ سید شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

وہ جغرافیہ جس کی تھی احتیاج | چھپا مژدہ اے طالبان کمال
نئی طرز کا ہے یہ جغرافیہ | عیاں جس سے ہی ربع مسکون کا حال
ملی طرفہ تر اُس کی تاریخ طبع | وہ خود طرفہ ہے جیسے بے قیل و قال
اگر سال ہجری کی ہے جستجو | تو جغرافیہ خود بتاتا ہے سال
۱۲۹۹ھ
ہو مطلوب تاریخ گر عیسوی | کہو اس کو جغرافیہ بے مثال
۱۸۸۲ء

ہو جاتی ہے۔ جب کوئی مہتم بالشان واقعہ ظہور میں آتا ہے۔ مثلاً کسی کے اصطبل کی مرمت ہوئی یا گھوڑا آختہ کیا گیا۔ یا کسی کی مینا مرگئی۔ یا مرغ پالی جیتا۔ یا بلی نے بچے دیئے ایسے وقت میں شعرا کو مقابلہ کے امتحان کا موقع مل جاتا ہے۔ جو شخص مادہ تاریخ فی الواقع یا صاحب فرمایش کے نزدیک سب سے اچھا نکال لاتا ہے۔ اُس کا فی الجملہ اعتبار بڑھ جاتا ہے راقم چونکہ تاریخ نکالنے میں سدا سے ہیٹا تھا اِس لئے ہمیشہ اس امتحان سے کترا تا رہا لیکن بُری بھلی چند تاریخیں جو کبھی کبھی دوستوں یا بزرگوں کی فرمایش یا اپنے دل کی خواہش سے لکھی تھیں اُن میں سے جس قدر سردست بہم پہنچیں دیوان میں شامل کر دی گئیں۔ تا کہ دیوان کے ضروری اخلاط میں سے ایک خلط کم نہ ہو جائے ✦

تاریخ وفات مرزا غالب مرحوم دہلوی

غالب نے جبکہ روضۂ رضواں کی راہ لی — ہر لب پہ آہ سرد تھی ہر دل میں درد تھا
اس دن کچھ اہل شہر کی افسردگی نہ پوچھ — دُنیا سے دِل ہر اپنے پرائے کا سرد تھا
حالی کہ جس کو دعوئ تمکین و ضبط ہے — دیکھا تو دِل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرد تھا
تھا گو وہ اِک سخنورِ ہندوستان نژاد — **عرفی و انوری** کا مگر ہم نبرد تھا

ا؎ یہ تاریخ غالب مرحوم کی غزل کے ایک مصرعہ سے نکالی گئی ہے۔ اُن کی غزل کا مقطع یہ ہے۔ یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ تن کی ہے ✦ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا" اخیر مصرعہ کے اعداد ۲۷۹۶ ہوتے ہیں جب اُن میں سے لفظ تاریخ کے اعداد ۱۲۱۱ اور لفظ ذکر کے عدد یعنی ۳۰۰ کا تخرجہ کیا گیا ۱۲۸۵ باقی رہے اور یہی اُن کا سال وفات ہے۔ مختصر صورت تاریخ کی یہ ہوئی ۲۷۹۶-(۱۲۱۱+۳۰۰)=۱۲۸۵ھ ✦

قطعاتِ تاریخ اور تاریخی جملے مقتبس از قرآنِ مجید

راقم کو فی الواقع مادہ تاریخ نکالنے کا ڈھب نہیں ہے۔ اور اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آئی ہے تو نہایت دقت سے اکثر تخرجہ یا تعمیہ کے ساتھ اور کبھی حُسنِ اتفاق سے بغیر اِس کے بھی تاریخ سرانجام ہوئی ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مادہ تاریخ کسی دوست نے نکال دیا اور اِس پر صرف مصرعے لگا کر تاریخ کے مالک بن بیٹھے۔ لیکن چونکہ غلطی سے تاریخ گوئی کو جزو شاعری سمجھا گیا ہے۔ اِس لئے اکثر طوعاً و کرہاً یاروں کی فرمایش سے اور کبھی کبھی اپنی اُپج سے بھی تاریخیں لکھنی پڑی ہیں +

ایک بزرگ کے پاس لوگ اکثر تعویذ گنڈے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ عباسیوں کے عہد میں ایک شخص نے نبوّت کا دعویٰ کیا۔ لوگ ایک قفل کو بند کر کے اُس کے پاس لے گئے کہ اگر فی الواقع تو خدا کا بھیجا ہوا ہے تو یہ قفل بغیر کنجی کے کھولدے۔ اُس نے کہا بھائی مَیں نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے آہنگری کا دعویٰ نہیں کیا۔ اُن کا مطلب اِس قفل سے یہ تھا کہ ہم نے خدا کی طلب میں درویشی اختیار کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ عامل اور سیانا بھی بننا پڑے گا۔ یہی حال ہمارے ملک میں اُن لوگوں کا ہے جو شاعری میں بدنام ہیں۔ وہ اَور تو کسی مصرف کے سمجھے نہیں جاتے اور وہ حقیقت میں بھی نہیں البتہ لوگوں کی غرض کبھی کبھی اُن سے اِس قدر متعلق

اُن کو ایسوں سے نہیں مِلنا روا　　جو لیاقت رکھتے ہیں اُن سے سوا
اونٹ اگر سمجھے بڑا اپنے تئیں　　دیکھنا لازم پہاڑ اِس کو نہیں
سر میں ہے جگنو کے یہ سودا اگر　　شے نہیں مجھ سے کوئی تابندہ تر
چاہیئے دِن کو نہ نِکلے زینہار　　ورنہ ہوگا اپنے جی میں شرمسار

کھو کے مجھ کو کوئی پاتا نہیں پھر	جا کے میں ہاتھ سے آتا نہیں پھر
ایک پل میری اگر د تیجیے گنوا	لیجیے ہاتھ اس سے ہمیشہ کو اٹھا
تو اگر اپنی لٹا دے ثروت	پل وہ ملتی نہیں پھر اے دولت
ہیں اسی واسطے جو اہل تمیز	میری ایک ایک پل ان کو ہے عزیز
میرے جو لوگ کہ ہیں قدر شناس	ہے مرا جاگتے سوتے انہیں پاس
جانتے ہیں حکما و عرفا	مجھ کو سرمایہ دین و دنیا
دل میں جن کی مرے کچھ قدر نہیں	ان کی قسمت میں نہ دنیا ہے نہ دین
نہ کوئی کام ہو ان سے انجام	نہ ارادہ ہو کوئی ان کا تمام
نہ انہیں دین کی دولت ہاتھ آئے	اور نہ دنیا کبھی ان سے پنپائے
نہ ادا صوم ہوں ان سے نہ صلوٰۃ	نہ ہو قدرت میں حج ان کی نہ زکوٰۃ
نہ مدد ان سے کچھ اپنی کی جائے	نہ خبر ان سے کسی کی لی جائے
گن تو ہیں مجھ میں بہت اے دولت	ہے مگر تنگ مجال فرصت
بس زیادہ نہیں مہلت مجھ کو	بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو

اس میں ہے میرا سراسر نقصان
کہ ہے انمول مری ایک اک آن

ناقصوں کے دعوے کاملوں کے سامنے فروغ نہیں پاتے

ہے لیاقت جن میں کچھ قدر قلیل   اور سمجھتے آپ کو ہیں بے عدیل

ہیں رکھائی سے مری سب لرزاں — میرے اغماض سے ڈرتا ہے جہاں
جس سے دُنیا میں نہ مَیں راہ کروں — ہو اگر شیر تو روباہ کروں
الغرض ہے وہ مری شان عظیم — کرتے آئے ہیں جسے سب تسلیم
جڑ سمجھتے ہیں جو شی کی مجھ کو — میری عظمت نہیں باور مجھ کو
تو بتا فخر ہے تجھ میں وہ کیا — جس نے مجھ سے تجھے گمراہ کیا
وقت نے سُن کے کہا اے دولت — شک نہیں اِس میں ذرا اے دولت
ساری تو خوبیوں کی جڑ ہے۔ مگر — اپنی جڑ کی نہیں کچھ تجھ کو خبر
تو جو اپنے پہ ہے نازاں اتنی — اپنی ہستی سے ہے غافل کتنی
کیجئے فرض تجھے گر چشمہ — تو ہوں اس چشمہ کا میں سرچشمہ
میں ہوں یا تو ہے اساس امکان؟ — پہلے دریا ہے کہ مچھلی ناداں
تو جو کھیتی ہے تو رقبہ میں ہوں — تو جو موتی ہے تو دریا میں ہوں
ہے قرابہ ترا اگر عطر آگیں — میں ہوں اُس عطر کی واللہ زمیں
ہے عبث تجھ کو تفوق کا خیال — تو ہے گر مال تو میں راس المال
جن کے قبضے میں ہوں ہیں اے دولت — تجھ پہ رکھتے ہیں وہ دست قدرت
لاکھ بار اُن سے اگر بھاگے تو — بڑھ کے جا سکتی نہیں آگے تو
اُن کی مُٹھی میں ہے تو اے دولت — طائر رشتہ بپا کی صورت
نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود — جس کا نایاب ہے عالم میں وجود

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دِن وقت نے دولت سے کہا — سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کیا
تو ہے سرمایۂ عزّت یا میں — تو ہے انسان کی دولت یا میں
ہے زمانہ میں بڑی بات تری — دیکھیں ہم بھی تو کرامات تری
وقت سے ہنس کے یہ دولت نے کہا — تجھ کو اے وقت نہیں عقل ذرا
ہے عجب ۔ جس کو خدائی مانے — اُس کی تو خوبیوں میں شک جانے
سبز ہے گلشنِ دُنیا مجھ سے — لیتے ہیں توشۂ عقبیٰ مجھ سے
نام اقبال ہے آنے کا مرے — لقب ادبار ہے جانے کا مرے
مجھ سے پلتے ہیں ہنر نشو و نما — علم بھی ایک طفیلی ہے مرا
لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال — لاکھ رکھتا ہو کوئی حُسن و جمال
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں ۔ مگر — مَیں نہ ہوں ۔ تو نہیں کچھ قدرِ بشر
چند روز آگئی میں جس کے کام — زندہ تا حشر رہا اِس کا نام
جس سے مجھ کو نہ سروکار رہا — وہ سدا خوار و نگوں سار رہا
مُنھ ذرا جس کو لگا لیتی ہوں — اُس کی مَیں شان بڑھا دیتی ہوں
چاہتے ہیں مجھے سب خورد و کلاں — پھرتے ہیں دُھن میں مری پیر و جواں
گر نہ ہوں میں تو کوئی کام نہ ہو — کسی آغاز کا انجام نہ ہو
کوئی حاجت نہ ہو دُنیا کی روا — درمیاں گر نہ قدم ہو میرا

حال جو ہوتا ہے بچوں کا بچھڑ کر ماں سے — یہی احوال تھا پنجاب کا بے وہم وگماں
جانشین انکے ہوئے آن کے جب سر لائل — عہد سابق کو گئے بھول سب ابنائے زماں
شکر ہے عہد جو یہ آئے کے تعینی ہو سکتے — رحم و انصاف ہو ذات سے جو انکی عیاں
اٹھ گیا سر سے جب اس ملک کے سایہ ان کا — ہاتھ میں آپنے لی آکے حکومت کی عناں
کارفرما تھے جب اضلاع میں پنجاب کے آپ — معدلت آپکی اسوقت سے مشہور ہے یاں
حیدرآباد میں۔ میسور میں۔ کلکتہ میں — نیکنامی کے کئے کام۔ رہے آپ جہاں
ہے یہ اب آپ سے اُمید کہ پنجاب میں بھی — مشکلیں آپ سے سب ملک کی ہونگی آساں
بعد سر لائل و سر چارلس کے سر ڈینس بھی — چھوڑ جائینگے ہر اک دل پہ عقیدت کے نشاں

انگریزی اشعار کا ترجمہ

وہ دل رُبا اُمیدیں جن پر کہ تو ہے شیدا — جب دُور تیرے دل سے ہو جائینگی سراپا
وہ عالم جوانی جس پر کہ تو ہے مفتوں — جائے گا ٹوٹ جس دم اِس کا طلسم سارا
جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہی تونے اِس کو — تھا جو کہ تجھ کو اپنا آرام دل سمجھتا
چل دینگے جب وہ سارے۔ اِن بلبلوں کی مانند — بعد از بہار جو رُخ کرتیں نہیں چمن کا
جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ — کون آکے دے گا تجھکو اِسکے سوا سہارا
بے مہریوں سے تونے جس کو کیا ہے غمگین — تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا

جس طرح وہ پرندہ جو فصل گل میں جاکر
پھر موسم خزاں میں آکر ہے ہم سے ملتا

درس کے کمرے جن میں ہیں اکثر　　قدر ضرورت سے کچھ بڑھ کر
بورڈروں کے رہنے کو ہیں گھر　　کھیلنے کو میدان ہے سراسر

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

شہر میں جا کالج کو عطا کی　　کیں اصلاحیں آب و ہوا کی
شہر کی جو حاجت تھی روا کی　　شرط حکومت تم نے ادا کی

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

تم میں ہیں جو موجود فضائل　　وہ نہیں کچھ محتاج دلائل
لوگ سب انکے دل سے ہیں قائل　　او! سر لائل ۔ او! سر لائل

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

اشعار مدحیہ

بحضور سر ڈینس فٹز پیٹرک لفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب ۔ انبالہ کے ایک بانی مدرسہ کی طرف سے

قیصر ہند کے ہیں سیکڑوں احساں جہاں　　اِن کا پنجاب پہ ہے سب سے بڑا یہ احساں
حکمراں آئے ہیں پنجاب میں اب تک جتنے　　سب سے ایک کا پلہ ہے عدالت میں گراں
جبکہ سر چارلس نے پنجاب کو چھوڑا اِس دم　　اُس وقت رخصت تھا ہر اک انکو بہ حسرت نگراں

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

یوں تو ہیں سب احسان مسلّم
رب سے ہے یہ احسان مقدم
تھے تعلیم میں کم سب سے ہم
تم نے مدد کی اپنی پیہم
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

جوبلی کے جو خاص وظیفے
پانچ برس کو ہم کو ملے تھے
لطف سے میعاد اُن کی بڑھا کے
جیت لئے دِل آپ نے ہم سے
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

مدرسہ تھا بے ٹھوڑ ہمارا
تھا نہ کہیں ٹکنے کا سہارا
مانگے تانگے پر تھا گذارا
مٹ گیا اب خلجان یہ سارا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آپ کو ہم پر رحم جو آیا
گھر یہ عطا ہم کو فرمایا
حکم مرمت کا بھجوایا
ٹوٹے پھوٹے کو بنوایا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

شکر کا ہم کو گو نہیں یارا پر یہ ہے کہنا فرض ہمارا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

ہے دِلّی کے فخر کا یہ دن شہر میں آیا شہر کا محسن
وصف تمہارا گو نہیں ممکن رہ نہیں سکتے پر یہ کہے بن
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آپ نے ہم پر بھیجے ہیں افسر کیسے کیسے رعیت پرور
جن سے ہندوستان منور فخر ہے انگلستان کو جن پر
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آر کلاک اک احسان کا پُتلا آدمی کی صورت میں فرشتہ
تھا دِلّی پر فضل خدا کا تم نے جو دِلی میں اُسے بھیجا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آب و ہوا سے شہر کی ساری آئی تھی خلقت جان سے عاری
تم نے لگا کر نل اِک باری چشمۂ حیوان کر دیا جاری

قوم کھو بیٹھی ہے جو عباسیوں کی یادگار　　جستجو میں اُسکی مشعل لیکے یاں آئے ہیں ہم
تا کہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا　　اس لئے ڈالے گلے میں جھولیاں آئے ہیں ہم
خود غرض ٹھہرائیں یا مکار ہم کو یا گدا　　ذلتیں یہ کرکے سب خاطر نشاں آئے ہیں ہم
فخر سب بیجا ہیں اُن کے قوم ہی جنکی ذلیل　　فخر و عزت کے مٹا کر سب نشاں آئے ہیں ہم
ہے بنی ہاشم کی مہماں پروری ضرب المثل　　اسلئے یاں بن بلائے میہماں آئے ہیں ہم
تشنگی اپنی بجھائی ہو گی اے آب حیات　　لیکے منہ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم

مژدہ قدوم حضور شاہزادہ ویلز در ہند

مژدہ ہو اہل مشرق اب دن پھرے تمہارے　　مغرب سے سوئے مشرق آیا ہے مہر تاباں
گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے　　ہے ایسے گلہ باں پر گلہ کی جان قرباں
ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم　　اے معدن بزرگی اے خاک انگلستاں
تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے لیکن　　ہندی بھی ان دنوں ہیں قسمت پہ اپنی نازاں
مہماں ہے آج ان کا اس شاہ کا ولی عہد　　روئے زمیں کے سلطاں جسکے ہوئے ہیں مہماں

شکریہ عطائے مدرسہ نواب غازی الدین خان مرحوم واقع اجمیری دروازہ دہلی بحضور سر جیمس لائل لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب از طرف طلبائے اینگلو عربی اسکول دہلی

آیئے اے دلی کے دل آرا　　شہر دعا گو سب ہے تمہارا

لہ چونکہ یہ نظم صغیر سن طالب علموں کیلئے لکھی گئی تھی تاکہ وہ ہز ہائنس کے روبرو مجتمع ہوکر بطور کورس کے گا نکلے میں پڑھیں اس لئے بچوں کی سمجھ کے موافق نہایت سیدھے سادھے الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں ۱۲

نشہ میں چور تھے اِک بادۂ پُر زور کے ہم — جس کا راحت میں نہ کلفت میں اُترتا تھا خمار
سر پہ وہ دیو قوی آ کے چڑھا تھا اپنے — یاد تھا جس کا نہ عامل نہ سیانے کو اُتار
روکتا تھا نہ جسے غار نہ خندق نہ کنواں — ہم تھے اُس توسنِ سرزور پہ دن رات سوار
رہتے تھے اُس شترِ مست کی صورت بے قید — ہاتھ سے جس نے شتربانوں کے تڑا لی ہو مہار
پند گو ہوتے تھے جتنے کہ زیادہ دل سوز — اِن کی صحبت سے تھے اتنے ہی زیادہ بیزار
خیر خواہ اور تھے غمخوار مربی جتنے — اِن کی صورت سے ہمیشہ ہمیں چڑھتا تھا بخار
ملکے بھولیوں سے جان میں جان آتی تھی — ہنسنے اور بولنے پر زیست کا تھا اپنی مدار
اب اُمنگیں ہیں وہ دل میں نہ ترنگیں باقی — تیرے اے عمر گئے اب وہ کہاں لیل و نہار

صدائے[1] گدایانِ قوم

ڈھونڈھتے خضرِ مبارک پے کو یاں آئے ہیں ہم — چھوڑ کر بھٹکا ہوا اِک کارواں آئے ہیں ہم
ڈر ہے جو خوشدل ہیں وہ سُن کر نہ ہوں آزردہ دل — سخت عبرت خیز لیکر داستاں آئے ہیں ہم
ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن — لیکے اُس کا مژدۂ فصلِ خزاں آئے ہیں ہم
علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد[2] نے — آج اُس مُردہ پہ اُسی کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم

---

[1] پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت لوگوں نے جنہوں نے اپنی جماعت کا نام گدایانِ قوم رکھا ہے ریاست بہاولپور میں چندہ وصول کرنے کے لئے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ اِن کا قصد رئیس کے حضور میں یہ اشعار پڑھنے کا تھا۔ لیکن غالباً اُن کا جانا نہیں ہوا۔

[2] چونکہ رئیسِ بہاولپور بنی عباس میں سے ہیں۔ اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی۔ اِس لئے یہ مضمون اِس طرح ادا کیا گیا۔

ایضاً

کاراحباب ساختن بتواں　　دوستاں را نواختن بتواں
تا بہ دھر ابرو یاد خواہد ماند　　از شما لطف یاد خواہد ماند

اشعار غزل ناتمام

اِس زندگی کے ہاتھوں چین ایک دن نہ پایا　　یہ جان ہے بدن میں یا خار پیرہن میں
حاضر ہو جب نہ دِل ہی ہی باغ و راغ یکساں　　ہم دوستو گئے بھی۔ تو کیا گئے چمن میں
ہے اِک خراش دل میں۔ ڈر ہی کہ پھر نہ آئے　　زخمی ہے قید اِن میں اور مشک ہے ختن میں
تو اپنے بھولے پن سے شیدا ہوئی ہے ورنہ　　اے فاختہ دھرا ہے کیا سرو و نار ون میں

ایضاً

کِس قدر یارو ہوا ہے انقلاب　　آگیا یاروں کے اقراروں میں فرق
خود بتا دے گا تمھیں دورِ زمان　　بے وفاؤں اور وفاداروں میں فرق
اِن پہ ہم قربان ہیں وہ ہم پر نثار　　ہے بہت پیاروں میں اور یاروں میں فرق

ایضاً

گر نہو نیّتِ گدا میں فرق　　آئے کیوں شاہ کی عطا میں فرق
ہیں وفادار اَور بھی۔ لیکن　　ہے مری جاں وفا وفا میں فرق

اشعار قصیدہ ناتمام

یاد ایا میکہ تھی باغ جوانی پہ بہار　　نظر آتا تھا خزاں میں بھی زمانہ گلزار

ایضاً

شکر کہ از فضل خدائے جہاں　　وقت خوش از پردہ برآمد عیاں
شادی دل را سبب آمد بدست　　فرصتِ بزم طرب آمد بدست
تا شود از مقدمِ اہل کرم　　کلبۂ ما غیرتِ باغِ ارم

ایضاً

رفت آسیب زمستان باد نوروزی وزید　　دوستداران را بشارت باد و یاران را نوید
طرح بزمِ خرمی با ہمدگر باید نہاد　　نغمۂ شکر الٰہی دمبدم باید کشید

ایضاً

سلام من محب مستکین　　یلیہ الخیر والبرکات تتری
سلام رد فد روح وراح　　وبین یدیہ للاحباب بشری
ودعوۃ شاھدین وغائبینا　　من الاخوان والخلان طراً

خاتمہ رقعہ شادی

فاطیب العیش فی الدنیا وارغدہ　　رؤیتنا بزیارات الاحبا

ایضاً

ہزار دیدۂ دل فرش راہ یارانے　　کہ از مسرتِ یاراں مسرت اندوزند
بہ شادی و طرب ہمدگر شوند انبار　　ہزار رخ ز فروغ ولے برافروزند

اشعار متفرقہ

اِن میں اکثر وہ اشعار ہیں جو لوگوں کی فرمایش سے خاص خاص موقعوں پر اُردو یا فارسی وغیرہ میں لکھے گئے ہیں

تمہید رقعہ شادی عروسی

شکر کیجے کون سی نعمت کا خالق کی ادا ۔۔۔ اِک سے ہے ایک نعمت اِسکی بندوں پر سوا
اُس کی قدرت کے خزانوں میں نہیں ہرگز کمی ۔۔۔ جس نے جو مانگا دہی اُس نے مہیا کر دیا
نخل تر کو پھل دیا اور پھل کو بخشا رنگ و بو ۔۔۔ سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب او ضیا
کھیتیوں کو مینھ دیا ماں باپ کو اولاد دی ۔۔۔ اِس سے دی دُنیا کو رونق اِس سے آنکھوں کو جلا
عمر روز افزوں عطا فرمائی پھر اولاد کو ۔۔۔ کل چھٹی تھی جن کی ہے دن آج اُنکے بیاہ کا
آؤ اِس کے شکریہ میں مِل کے باہم شاد ہوں ۔۔۔ تا کہ صورت سے ہو ظاہر شکر انعام خدا

ایضاً

چھٹی بیاہ یا تیج تہوار ہو ۔۔۔ لب آب یا صحن گلزار ہو
گل و لالہ ہو یا ہو عطر و گلاب ۔۔۔ مے و نغمہ ہو یا ہو چنگ و رباب
یہ ساری خوشی کے ہیں سامان جب ۔۔۔ کہ ہوں ایک جا جمع احباب سب
بزرگوں سے محفل کی شوکت بڑھے ۔۔۔ عزیزوں اور پیاروں سے عزت بڑھے
جہاں اِس طرح جمع ہو چار یار ۔۔۔ ہیں اُس بزم پر لاکھ گلشن نثار

طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں — اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچیں و باغباں ہیں

غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی — بیفکر و بیخبر ہیں بوڑھے ہیں یا جواں ہیں

اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں — رستہ کدھر ہے اُن کا اور جا رہے کہاں ہیں

فضل و کمال اُن کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں — گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا — کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں

تم سے بھی تو تھامو عزت کو قوم کی کچھ — اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یاں ہیں

اک خضر رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے — رستے پہ دیکھیں چلتے اب کتنے کارواں ہیں

خدمت میں اُن کے حالی کہتا ہے یہ ادب سے — اس وقت رونق افزایاں جتنے مہرباں ہیں

دُنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو — ورنہ بگڑنے کے یاں آثار سب عیاں ہیں

عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں — قدرت کے قاعدے جو دُنیا پہ حکمراں ہیں

جو اپنے ضعف کا کچھ کرتے نہیں تدارک — قومیں وہ چند روزہ دنیا میں میہماں ہیں

گھڑیال اور مگرمچھ ہیں اُن کو نگلے جاتے — دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں

سنبھلو۔ وگرنہ رہنا یاں اس طرح پڑیگا — بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بے نشاں ہیں

یہ غفلتیں مبادا اب روزِ بد دکھائیں
ڈھونڈے سے کچھ نشاں ہیں ڈھیہ کر مٹ نہ جائیں

شاہوں کے جشن تھے وہ یہ جشن قوم کا ہے — شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے

دولت کے تھے وہ جلوے ملت کا ہے یہ نقشہ — کاغذ کی تھیں وہ ناویں بیڑا یہ نوح کا ہے

بے روح تھے وہ قالب ہے اِس میں روح خویشی — موجِ سراب تھے وہ یہ چشمۂ بقا ہے

میلے نہ وہ بچھڑ ملتے تھے روح اِن میں گریہ ہوتی — رہتا ہے آندھیوں میں روشن یہ وہ دیا ہے

وہ دِن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر — اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے

بس سلطنت یہی ہے مِل بیٹھنا ہمارا — یہ چھت نہ سمجھو سر پر یہ سایۂ ہما ہے

گم گشتہ بخت جس کو پھرتے ہیں ڈھونڈھتے ہم — لگتا ہے کچھ تو اِس کا لگتا ہمیں پتا ہے

وہ مشکلیں کرینگے اب حل ہمیں تمہیں کچھ — جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے

ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اِس انجمن کے — معذور ہیں وہ اِن سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے

فوجِ کمک کو اکثر سمجھا ہے فوجِ دشمن — حملہ کمک پہ اپنی اپنوں نے خود کیا ہے

نادم ہوئے ہیں لیکن روشن ہوا ہی جب دن — انسان سے ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے

قدر ایسی مجلسوں کی مُدت میں ہو گی ہم کو — ابتک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے

ہوتی ہے قدر اُن کی بنتی ہے جان پر جب — لاتے ہیں تب یہ ناویں جب بیڑا ڈوبتا ہے

گو سب جہاز والے خطرے سے بیخبر ہیں — پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو رہا ہے

آفات بحر سے ہیں ناواقف آشنا سب

ہنستے ہیں ناخدا پر۔ روتا ہے ناخدا جب

گلشن میں فصل گل کے سب مٹ چکے نشاں ہیں — پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں

اے خاکِ پاک دہلی اے تخت گاہِ شاہاں ۔۔۔ پیشِ نظر ہیں تیرے سب اگلے ساز و ساماں
ہنگامے اِس زمیں پر لاکھوں ہیں گرم ہرسو ۔۔۔ پر کوئی جشن قومی آتا نہیں نظر یاں
تقریبِ جشن جس میں ہو کچھ نہ جز اخوت ۔۔۔ ملکوں سے جمع آکر جس میں ہوئے ہوں اخواں
پائین و صدر کا ہو جس میں نہ کچھ تفاوت ۔۔۔ خرد و بزرگ کی ہو جس میں نشست یکساں
جن کو نہ ہو بلاوا حاکم کا اور نہ قدغن ۔۔۔ لایا ہو کھینچکر دل اُن کو نہ حکمِ سُلطاں
خادم ہوں جس قدر واں مخدوم قوم کے ہوں ۔۔۔ مخدوم جتنے ہوں واں سب قوم پر ہوں قرباں
خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ واں تواضع ۔۔۔ ہوں خود ہی میزبان وہ اور خود ہی ہوں وہ مہماں
ٹھہرائیں جس کو چاہیں وہ آپ میر مجلس ۔۔۔ چاہیں جنہیں بنائیں وہ آپ میر ساماں
آئے ہوں اِس غرض سے سب مِلکے تاکہ سوچیں ۔۔۔ دُنیا میں کس طرح ہوں سرسبز پھر مسلماں
ہندوستاں میں کیونکر باقی رہے نشانی ۔۔۔ اُس قوم کی کہ تھا کل جن کے وہ زیرِ فرماں
نکلیں تو کیونکر نکلیں ذلت سے وہ گھرانے ۔۔۔ اعزاز نے تھا باندھا جنکے بڑوں سے پیماں
اُن مدرسوں کا کیونکر جاری رہے افاضہ ۔۔۔ جنکے سبب سے زندہ نامِ حدیث و قرآں
جو مسجدیں ہیں بہرِ ذکرِ خدائے واحد ۔۔۔ محفوظ حادثوں سے کیونکر ہوں اِنکے ارکاں
جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں وہ سر پر ۔۔۔ اپنی طرف سے لیکن ہے سعی فرضِ انساں
اے شہ نشینِ اسلام اے معدنِ سلاطین ۔۔۔ اے پایۂ تخت سادات اے دارِ ملکِ مغلاں

تو جشن گاہ شاہاں ہر عہد میں رہا ہے
ایسا بھی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے؟

اس باغ میں بہاریں جو جو گذر چکی ہیں — آنکھوں کے روبرو ہے گویا سماں وہ سارا
کل جشن فتح تھا یاں ہے آج جشن شادی — ہردم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
بلبن کے آج مہماں خاقاں ہیں اور سلاطیں — اصطخر ہے کہ دلی بلبن ہے یا کہ دارا
فیروز شہ کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد — دولہا بنا ہوا ہے تزئیں سے شہر سارا
تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل — بہر مدافعت ہے میدان میں صف آرا
مغلوں کے اُڑ رہے ہیں کل جشن فتح نصرت — تیمور سے زمانہ ہے بر سر مدارا
آتا ہے آج بابر لودی پہ فتح پا کر — ہیں شوقِ شاہ نو میں پیر و جواں خود آرا
کل سوریوں میں ہر سو بجتے ہیں شادیانے — مغلوں کا آرہا ہے گردش میں کچھ ستارا
ہے جشن فتح پھر آج چغتائیوں میں برپا — اقبال نے ہے گویا مغلوں سے قول ہارا
جس دھوم سے ہے گھر گھر جشن جلوس اکبر — ہے گرد اُس کے آگے جشنِ قباد و دارا
شاہِ جہاں خوشی سے پھولا نہیں سماتا — تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل و بارا
تیاری اس خوشی میں جشن عظیم کی ہے — گویا کہ ہے جہاں میں جشن سدہ[۱] دوبارا[منہ ۱۲]
اطراف ہند سے ہیں اعیاں ملک آئے — پاکر حضور شہ سے سب جشن کا اشارا
ارکان سلطنت میں سب پائے تخت حاضر — بالائے تختِ طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا
وہ جشن کرنیوالے گو خاک میں نہاں ہیں — پر جشن انکے ابتک سب زیب داستاں ہیں

---

[۱] سدہ آگ کو کہتے ہیں جشن سدہ وہ جشن ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے اوّل جمشید نے پتھر میں سے آگ نکلنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا ۱۲ +

مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں
سوُرج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یاں

یا یہ اب پہنچی ہے ہم میں نوبتِ قحط الرجال ایک اُٹھ جاتا ہے۔ دنیا سے اگر صاحب کمال
دوسری ملتی نہیں دُنیا میں پھر اِس کی مثال ذاتِ باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بے مثال

ظاہر اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا
مرثیہ ہے ایک کا اب نوحہ ساری قوم کا

سنتے ہیں حالیؔ سخن میں تھی بہت وسعت کبھی تھیں سخنور کیلئے چاروں طرف راہیں کھلی
داستاں کوئی بیان کرتا تھا حُسن و عشق کی اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی

گاہ غزلیں لکھ کے دل یاروں کے گرماتے تھے لوگ
گہ قصیدے پڑھ کے خلعت اور صلے پاتے تھے لوگ

پر بلی ہم کو مجال نغمہ اِس محفل میں کم راگنی نے وقت کی لینے دیا ہم کو نہ دم
نالۂ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جا کر نہ سم کوئی یاں رنگیں ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم

سینہ کوبی میں رہے جبتک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

۱۵۔ ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۱۰ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا

یہ خاک۔ آج جس پر ہیں جمع اہلِ آرا یاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا

کوہ راسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار　　وضع اس کی جو کہ تھی وضع سلف کی یادگار

قوم کے از یاد رفتہ خواب کی تعبیر تھی
عہد عالمگیر اکبر شاہ کی تصویر تھی

سر پہ دُنیا کے علایق کا تھا گو بارِ گراں　　پر بہر حالت میں ہلکی پھول سی رہتی تھی جاں
پا بگل دُنیا میں، پر دُنیا کے غم سے برکراں　　رنج ہو یا خوشی جب جا کے دیکھو شادماں

ظاہرا پابند تھا دُنیا کی رسم و راہ کا
دِل مگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا

منقبض اس کو نہ مکروہات میں پایا کبھی　　غم سے دُنیا کے نہ پیشانی پہ بل لایا کبھی
دِل کسی بادِ مخالف سے نہ کملایا کبھی　　تلخیِ دوران سے چتوں پر نہ میل آیا کبھی

کی بسر دار المحن میں بزمِ عشرت کی طرح
عمر کاٹی دوزخِ دُنیا میں جنت کی طرح

مِٹ گئی افسوس اک ایسی سلف کی یادگار　　قوم میں جس کی مثال آیندہ کم دیکھیں گے یار
گُل کھلائے گی نئے، گلشن میں اب اد بہار　　رنگ ہوگا جن میں لیکن بو نہ ہوگی زینہار

کرتے ہیں جب ان حوادث کی نظر انجام پر
قوم میں اک ہم کو سناٹا سا آتا ہے نظر

اِک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافق روزگار　　اہلِ علم و فضل و دانش کا نہ تھا ہم میں شمار
ایسے حاصل خیز دُنیا میں نہ ہونگے کشت زار　　جیسے مردم خیز تھے اسلام کے شہر و دیار

بالیقین جن مجرموں کو اُس نے سمجھا بے خطا   مارشل لا میں ثبوت اِن کی گواہی کا دیا
چین سے بیٹھا نہ جبتک ہو گیا اِک اِک رہا   جو کہ تھے نادار کی اِن کی اعانت برملا
زر دیا کھانا دیا کپڑا دیا بستر دیا
بے ٹھکانوں کو ٹھکانا بے گھروں کو گھر دیا

قصے جھگڑوں میں کبھی پڑنے کی جس کی خو نہ تھی   دی گواہی جسنے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی
جسنے صورت تک عدالت کی کبھی دیکھی نہ تھی   ہاتھ سے جس نے بڑوں کی آن اب تک دی نہ تھی
بیگناہوں کے لئے وہ رات دن چکر میں تھا
پاؤں اِک اُس کا عدالت میں تھا اور اِک گھر میں تھا

جبکہ عنقا تھی دیانت بین ابناء الزماں   تھی امانت جسکی اُس کے پاس ہلکی یا گراں
خوف میں پاس اپنے رکھا اُس کو مثلِ پاسباں   کی حوالے مالکوں کے جب ہوا امن و اماں
ایک عالم ناخدا ترسی میں جب بیباک تھا
اُس کا دامن تھا کہ ہر دھبے سے بالکل پاک تھا

وضعداری میں نہ تھا اُس کا زمانہ میں مثل   وضع میں اُسکی تغیر تھا نہ عادت میں خلل
وقت کی تاثیر کا اُس پر نہ چلتا تھا عمل   اِنقلابِ دہر کی زد سے گیا تھا وہ نکل
اُس کے آگے اِن نئے سانگوں کی کچھ ہستی نہ تھی
اُس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زبردستی نہ تھی

کی تھی جو بچپن سے طرزِ زندگانی اختیار   اُس میں فرق آیا نہ وقت واپسیں تک زینہار

آگ میں تپ کر کھرا رہتا ہے کندن جس طرح

وہ زمانہ جبکہ تھا دِلّی میں اِک محشر بپا　　نفسی نفسی کا تھا جب چاروں طرف غل پڑ رہا
اپنے اپنے حال میں چھوٹا بڑا تھا مبتلا　　باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا
موجزن تھا جبکہ دریائے عتاب ذوالجلال
باغیوں کے ظلم کا دُنیا پہ نازل تھا وبال

دیکھ کر یاروں کو جب آنکھیں چرا جاتے تھے یار　　ساتھ دینا تھا کسی کا موت سے ہونا دو چار
یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار　　شہر میں تھی چار سو گویا قیامت آشکار
آگ تھی اِک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر
جل نہ جائیں اُس کے شعلے سے کہیں سب خشک تر

ہو رہا تھا جبکہ کھوٹے اور کھرے کا امتحان　　کر رہا تھا اپنے جوہر خاک کا پتلا عیاں
ایک جانب تھی اگر خندق تو اِک جانب کنواں　　بال سے باریک تر تھی راہ اُن کے درمیاں
راہرو گمراہ تھے اور راہ پر خوف و خطر
اُس نے دکھلایا کہ یوں چلتے ہیں سیدھی راہ پر

مجرم و بے جرم میں تھا حاکموں کو اشتباہ　　عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذر خواہ
مجرموں کے جرم پر دیوار و در تھے سب گواہ　　پر نہ تھا کوئی شفیع ان کا کہ جو تھے بے گناہ
ایسے نازک وقت میں مردانگی جو اس نے کی
اہل انصاف اِس کو بھولے ہیں نہ بھولینگے کبھی

سوءِ تدبیرِ معالج کی خطا کا ڈر نہ تھا
موت کا ڈر تھا مگر مہلک دوا کا ڈر نہ تھا

رکھتے ہیں آلات پر ہنر جن بھروسا جس قدر ۔۔۔ کرتے ہیں معلوم جو جو ان سے امراضِ بشر
وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے انگلی نبض پر ۔۔۔ اس کی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرمامیٹر

نارسا تھیں دوربینیں اہلِ صنعت کی جہاں
جا پہونچتی تھی نگاہِ دوربین اس کی وہاں

شہر کے سب مرد و زن پیر و جواں، خرد و کلاں ۔۔۔ تھے قوی پشت اس سے ایسے جیسی پشتہ سے مکاں
جس کو نسخہ دیا، یا لکھ کر وہ یہ سمجھا کہ ہاں ۔۔۔ زندگانی کے ابھی کچھ اور دن باقی ہیں یاں

گو کہ ماتم ملک میں ہے اس کا ہر سو آج کل
پر گئی اے شہر تیری جان ہی گویا نکل

کیا عجب پیدا ہوں پھر ایسے طبیب اور چارہ گر ۔۔۔ جو کہ تشخیصِ مرض میں رکھتے ہوں غائر نظر
خلق کو تکیہ ہو جن کی رائے اور تدبیر پر ۔۔۔ شہر میں ہوں مرجعِ کل، ملک میں ہوں نامور

جمع ہوں محمود خاں کے ذات میں انکے کمال
ہے یہ سب ممکن۔ مگر محمود خاں ملنا محال

راستی اور راستبازی اِنکی تھی ضرب المثل ۔۔۔ اُسکے کاموں میں ریا تھی اور نہ باتیں دغل
امتحاں کے وقت جب تھا نظمِ عالم میں خلل ۔۔۔ راستبازوں کی گئی تھی ٹھیک جب ہر سو نکل
کھوٹ سے اس آنچ میں نکلا وہ خالص اس طرح

مفت بیماروں کو اس کے ہاں سے ملتی تھی دوا ۔۔۔ فکر نذرانہ کا تھا اُن کو نہ شکرانہ کا تھا

اُس کے استغنا سے جھک جاتا تھا سر مغرور کا

اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل مزدور کا

بے حقیقت اُس نے سمجھا مال و دولت کو سدا ۔۔۔ تھے برابر اُس کے نزدیک اغنیا اور بینوا

گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر میں بے انتہا ۔۔۔ کوئی مفلس کا نہ تھا پرسانِ حال اُس کے سوا

کرتے ہیں جو دعوئ ہمدردئ نوعِ بشر

اُس نے باطل کر دیئے تھے ان کے دعوے سربسر

طب مسلمانوں کی لی اُس کی مسیحائی نے تھام ۔۔۔ ورنہ اب تک اُس کی تر کی ہو چکی ہوتی تمام

رونق طبِ جدید اور اُس پہ میل خاص و عام ۔۔۔ درسگاہوں اور دواخانوں کا اُسکے انتظام

دیکھ کر تھا اِک زمانہ اُس کی خوبی کا مقر

طبِ یونانی گئی تھی خلق کی نظروں سے گر

سرجنوں کے دیکھ دیکھ آلات و اعمال و حیل ۔۔۔ آگیا تھا رائے میں زود اعتقادوں کے خلل

دیں مگر اُس کی مسیحائی نے سب رائیں بدل ۔۔۔ طب یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سنبھل

سلطنت اور عقل تھی جس فوج کی ہمت فزا

ایک طاقت اُس کے حملوں سے ہوئی عہدہ برآ

گو کہ جاتے تھے شفاخانوں میں خاص و عام سب ۔۔۔ پر الجھ جاتے تھے سخت امراض میں بیمار جب

خلق کا پھر ملجا و ماویٰ اسی کا تھا مطب ۔۔۔ اُسکے بیماروں کو گو مایوس ہوں یا جاں بلب

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیئے　　واعظاں قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے　　کچھ مسیحا تھے کہ مُردوں کو جلا کر چل دیئے

ایک تختہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا
لے گئی سیلِ فنا اُس کو بھی اے دِلّی بہا

جا چکی تھی تجھ سے گو اے شہر عظمت قوم کی　　ہو چکی تھی آبرو مُدت سے رخصت قوم کی
پر کچھ اِک محمود خاں کے دم سے تھی پت قوم کی　　اُٹھ گیا وہ بھی جہاں سے آہ قسمت قوم کی

کیا دکھا کر اب دلائے گا سلف کو یاد تو
ناز اب کس پر کرے گا اے جہاں آباد تو

تجھ میں ہے دِلّی! کوئی اب ایسا مقبولِ جہاں؟　　نازشِ دار الخلافت مرجع ہندوستاں
ہند سے لے تا عرب کشمیر سے تا انڈماں　　بچہ بچہ کی زباں پر نام ہے جس کا رواں

نیم جانوں کا مسیحا اور غریبوں کا طبیب
خود حکیموں کا معالج اور طبیبوں کا طبیب

ہے کوئی اب تجھ میں ہیرو ایسا یکتائے زماں؟　　واقعاتِ زندگی کر دیجیے گر اُس کے بیاں
سمجھیں اِک افسانہ ناواقف اُسے اور داستاں　　ہے تعجب خیز الحق سیرتِ محمود خاں

یا وہ اِک جوہر الگ تھا جوہرِ انسان سے
یا نکلتے اب نہیں ایسے جواہر کان سے

اُس کا تھا دیوان خانہ ملک کا دار الشفا　　خلق کا دن رات رہتا تھا جہاں تانتا بندھا

جو گیا۔ اُس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر

گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ و فر
کر گئے اخلاق اور آداب سب تجھ سے سفر

تجھ کو اے دار الخلافت کھا گئی کس کی نظر
جھڑ گئے تاجِ شرف سے تیرے سب لعل و گہر

علم ہے باقی نہ اب دولت ہے تیرے پاس وہ

اے گلِ پژمردہ تیری کیا ہوئی بو باس وہ

بجھتے بجھتے تھا کچھ اک تو نے سنبھالا سا لیا
دورِ آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل چکا

جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نام اسلاف کا
خاک نے یاں تیری پھر اگلے وہ لعلِ بے بہا

عہدِ ماضی کا سماں آنکھوں میں سب کی چھا گیا

خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا

پر نہ کی عرضِ ہنر میں تو نے اب بھی کوتہی
جاہ و مکنت قوم کی گو تجھ میں کچھ باقی نہ تھی

پھر گئی آنکھوں میں پھر تصویرِ دورِ اکبری
اس بزرگی سے گذاری تیرھویں تو نے صدی

علم دین و شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم

ڈال دی پھر اپنی تو نے چار سو ہر فن میں دھوم

تھا جہاں علم و ہنر گو دوں کا پالا تھا ترا
ملک میں ہر سو وہی پھر بول بالا تھا ترا

پھر جو دیکھا غور سے وہ اک سنبھالا تھا ترا
تھی جہاں کچھ روشنی وہ سب اجالا تھا ترا

چاند نکلا تھا گہن سے جو وہ پھر گہنا گیا

چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا

جگمگھٹا تھا تجھ میں تُرک و فرنگ روم و زنگ کا
دستہ تھا گویا کہ تو گلہائے رنگا رنگ کا

لیکن آخر طبع دوراں کا ہی جیسے اقتضا ہر ترقی کی ہے حد ہر ابتدا کی انتہا
جب کہ دورہ اپنا تو دُنیا میں پورا کر چکا وقت اے جانِ جہان تیرا بھی آخر آ لگا

گردشِ افلاک کے ہونے لگے تجھ پر بھی وار
تیرے گلشن سے بھی کوچ آخر لگی کرنے بہار

تجھ پہ اے دار الخلافت انقلاب آنے لگے غیب سے تجھ کو تباہی کے خطاب آنے لگے
طالعِ مشفق کے پیغامِ عتاب آنے لگے تیرہ بختی کے نظر یاروں کو خواب آنے لگے

دولت و اقبال کا بندھنے لگا رختِ سفر
تجھ سے اے دار العلوم اُٹھنے لگا علم و ہنر

ہو گئے تیرے محدّث راہی دار السّلام کر گئے دُنیا سے رحلت تیرے مفتی اور امام
ہو گیا رُخصت جہاں سے تیرا جاہ و احتشام رفتہ رفتہ ہو گئی سب صاحبی تیری تمام

مجلسیں برہم ہوئیں زیر و زبر دیواں ہوئے
خانقاہیں بے چراغ اور مدرسے ویراں ہوئے

چل دیئے نوبت بہ نوبت تیرے شاعر اور ادیب مٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئی تیری طبیب
جاگ جاگ آخر سدا کو سو گئے تیری نصیب اس گلستاں سے نہ اُٹھی پھر صدائے عندلیب

جن کو کھو بیٹھے نظیر ان کا کہیں پایا نہ پھر

حُسنِ صورت میں اگر ضرب المثل نوشاؔد[1] تھا
حُسنِ معنی تیرا حِصّہ اے جہاں آباد تھا

جِنکے ساتھ اسلام نِکلا تھا عرب سے جو علوم جِن میں تھی اسلامیوں کی چار سو عالم میں دھوم
دولت و اقبال کا جبتک رہا تجھ پر ہجوم کھیتیوں پر تیری آ آتے تھے اُنکے جھوم جھوم
آئی گلشن میں نہ تیرے بھُول کر فصلِ خزاں
تیری سرحد میں رہا ہر علم و دانش کا سماں

جس طرح تھا فضل و دانش میں ترا مشہور نام تھے تمدن میں بھی پیرو تیرے جمہورِ انام
آدمیت سیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص و عام شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام
رسم میں آئین میں اوضاع میں اطوار میں
طرز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں

رہ گیا باہر سے آ کر جو کہ تجھ میں چند سال ڈھل گئے سانچے میں گویا اُسکے عادات اور خصال
آ کے بن جاتا تھا یاں نقصانِ انساں کا کمال تیرے پچھاویں سے موتی بنکے جاتے تھے سفال
آتے ہی انسان کی کایا پلٹ جاتی تھی یاں
چار دن میں اور ہی صورت نکل آتی تھی یاں

تیرا معمورہ تھا اِک عالم میں مرجع اور مآب آن کر لیتے تھے یاں ٹھیکی جہاں کے انتخاب
بستے تھے اطراف سے آ کے تجھ میں شیخ و شاب کر دیا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب

---

[1] نوشاد اور خلخ دو شہر ترکستان میں تھے جو حسن خیزی میں مشہور تھے ۱۲ ؏

زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہاں آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طینت میں ودیعت تھا مذاقِ علم و دیں
جیسے اُمّی تجھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں

ہند میں جو تھا محدث تھا وہ تیرا خوشہ چیں
تھی محدث خیز اے پایۂ تخت تیری سرزمیں

تھا تفقہ بھی مسلّم تیری خاکِ پاک کا
بیہقیِ وقت تھا اِک ایک فقیہ اِس خاک کا

شاذ و نادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر
آب و گِل کا تیرے تھا گویا تصوف سے خمیر

تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ بدرِ منیر
تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مستنیر

آج جس دولت کا بازارِ جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اُس دولت سے مالا مال ہے

طب میں گو یونانیوں کا سب سے آگے تھا قدم
آن کر اُس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم

جب کہ تو آباد تھا دُنیا میں اے باغِ ارم
بھرتے تھے تیرے اطبّا بھی مسیحائی کا دم

ہند میں جاری تجھی سے طبِ یونانی ہوئی
شہر شہر اِس جنس کی یاں تجھ سے ارزانی ہوئی

خاک سے اُٹھے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ ور
ایک جہاں شیوا بیانی سے ہے اِن کی باخبر

راس تھی آب و ہوا تیری سخن کو جس قدر
سرو کو ہوگی نہ راس اتنی ہوائے غاتفر[1]

---

[1] غاتفر سمرقند کے قریب ایک قطعہ زمین ہے جہاں کا سرو خوبی و زیبائی و راستی میں ضرب المثل ہے ۱۲

رائگاں جائیگا یاروں کا نہ یہ رنج سفر — راحتیں جس کی طفیلی ہیں وہ زحمت ہی یہی

فرد فرد آتے ہیں جو جاتے ہیں یاں سے مجتمع — ملتے ہیں جس کی بدولت دل وہ ملت ہی یہی

تم ہمارے کام آؤ ہم تمہارے کام آئیں — جس سے کل چلتی ہے دنیا کی وہ حرکت ہی یہی

قوم کی خدمت میں ہے مضمر ربوبیت کی شان — جو کہ پہنچاتی ہے خادم کو وہ خدمت ہی یہی

قوم کی ذلت کو سمجھیں ذلت اپنی سب عزیز — ملک میں عزت سے اب رہنے کی صورت ہی یہی

سال بھر رہتا ہے نقش اس انجمن کا یادگار — جو کبھی برہم نہیں ہوتی وہ صحبت ہی یہی

کر رہا ہے قوم کے ہر کل کو یہ مجمع وسیع — جز رسوا فزوں ہے مد جسکا وہ رجعت ہی یہی

اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد — ڈر نہیں اس کا کہ خود قانون قدرت ہی یہی

ہے کبھی افراط باراں اور کبھی ہے قحط آب — طینت عالم میں خاصیت ودیعت ہی یہی

کال ہے گر اس برس تو ہے سماں اگلے برس — جو خبر دیتی ہے کثرت کی وہ قلت ہی یہی

دیگ تو پکتے ہی یہ پکنے گی دھیمی آنچ میں — کچھ اُبال آیا تو ہے اس میں غنیمت ہے یہی

انجمن ہے قوم کی ہنگامۂ شادی نہیں
ایک دن کا کام کچھ روما کی آبادی نہیں

۱۴ مسدس مرثیہ سنہ ۱۳۱۰ ہجری

مرثیہ جناب حکیم محمود خاں مرحوم دہلوی

اے جہاں آباد اے اسلام کے دار العلوم — اے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دھوم

تھے ہنرور تجھ میں اتنے جتنے گردوں پہ نجوم — تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم

ایک جانب پستیٔ فطرت ہے اور دوں ہمتی ایک جانب مستی و غفلت ہے اور کبر و بَطر

جھک پڑے گر اُس طرف تو مفت کھو بیٹھے اُنہیں وہ جو اُڑنے کے لئے حق نے دیئے تھے بال و پر

ڈھل گئے گر اُس طرف تو اُس بلا میں پھنس گئے جسمیں پھنس جاتی ہے مکھی شہد میٹھا جان کر

برکتیں اللہ کی اس قوم پر جس قوم میں رہ سپر یہ طبقۂ والا ہو سیدھی راہ پر

ہیں معطل جو اَغنیا اور بے نوا کوتاہ دست سب کی پڑتی ہے اُنہیں کے دستِ بازو پر نظر

جو قویٰ اُن کو ملے ہیں کام میں لائیں اُنہیں تاکہ زندوں کی طرح ہو زندگی اُن کی بسر

فرض ہیں جو اُن کے ذمہ خالق اور مخلوق کے اُن میں سرگرداں ہیں دیوانہ وار آٹھوں پہر

قوم ہو گر ناتواں تو تقویت بخشیں اُسے کیونکہ اُسکے ضعف سے ہے اُنکی قوت کو ضرر

گو نجات انساں کو مکروہاتِ دنیا سے نہیں جن سے بچنا گوشت سے ناخن چھٹانا ہے. مگر

کام دنیا میں سنوارے ہیں جنہوں نے قوم کے تھے نکموں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر

سارے بھگتاتے تھے بائیں ہاتھ سے دنیا کے کام اور دائیں سے تھیں قوم کی کرتے تھے سَر

جس طرح اِس انجمن کے رکن آئے ہیں تمام
قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

قوم کو ہے آس جسکی وہ جماعت ہے یہی جس سے جان آتی ہے مردوں میں وہ طاقت ہے یہی

اتفاقِ قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل رائی کو کرتی ہے جو پربت وہ قوت ہے یہی

مال و دولت نامبارک ہے نہ ہو گر اتفاق قوم جس دولت کی بھوکی ہے وہ دولت ہے یہی

یاں وکیل ایکسا کِہ ہے شہر اور ملک کا قائم مقام دانہ کو کرتی ہے جو خرمن وہ برکت ہے یہی

مشکلیں اکثر انہیں سے قوم کی ہوتی ہیں حل — بھائیوں کے بازوؤں میں زور و طاقت اِن سے ہے

ہے انہیں کے دم سے جو ہے گرمیِ ہنگامہ آج — ساری قومی مجلسوں کی زیب و زینت اِن سے ہے

ہے جہاں دولت یہی ہیں نظمِ دولت کے کفیل — ملک کی دولت میں ہے جو خیر و برکت اِن سے ہے

ہاتھ میں انکے ہیں جتنے عقل و دانش کے ہیں کام — عقل و دانش میں ہے جن ملکوں کی شہرت اِن سے ہے

ہیں گداؤں کے وسیلے اور شاہوں کے مشیر — شاہ ہوں یا ہوں گدا دونوں کو قوت اِن سے ہے

آدمیت سیکھتے ہیں اِن سے سب چھوٹے بڑے — نوعِ انساں میں بقائے آدمیت اِن سے ہے

یہ نہ ہوں تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یاں — رونقِ بازارِ جنسِ علم و حکمت اِن سے ہے

پاؤ گے اِن میں طبیب اِن میں ادیب اِن میں خطیب — ہے اگر انساں کو حیواں پر فضیلت اِن سے ہے

پاؤ گے اِن میں مہندس پاؤ گے اِن میں حکیم — آدمی مصداقِ رحمانی خلافت اِن سے ہے

کرتے ہیں اخلاق ادنیٰ اور اعلیٰ اُن سے اخذ — آدمی سب ہیں مگر انساں عبارت اِن سے ہے

اِن میں قوموں کے ہیں مصلح اِن میں ملکوں کے وکیل — آبرو قوموں کی اور ملکوں کی عزت اِن سے ہے

پھونکتے ہیں روحِ قومیت یہی افراد میں — ہے جہاں قوموں میں یکرنگی و وحدت اِن سے ہے

دم سے ہے وابستہ اُن کے قوم کا سارا نظام
یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

گرچہ ہو ہر حال میں اُن کی مصالح پر نظر — ہیں مفاسد گرد و پیش اِن کے فراہم سر بسر

کھیلتی ہے جس طرح بتیس دانتوں میں زباں — ہے انہیں بھی شر سے یاں بچ بچ کے رہنا عمر بھر

گھاٹیاں فقر و غنا کی اِن کے ہیں دونوں طرف — اور رستہ بیچ میں ہے بال سے باریک تر

ہے عجب دُنیا میں نعمت درمیانی زندگی — فقر کی ذلّت سے اور ثروت کے فتنہ سے بری

چین ہے دُنیا میں گر کچھ تو اِسی حالت میں ہے — یہ جو ہے برزخ میانِ مکنت و دست تہی

فقر و ثروت فی المثل ہوں دوزخ اور جنّت اگر — مانگتے ہیں ہم حذر دوزخ سے اور جنّت سے بھی

دخل شیطاں کا ہو جس میں ایسی جنّت کو سلام — منزلِ اعراف سو بار ایسی جنّت سے بھلی

اِس کٹھن منزل میں ہے بیٹھا ہی اک بے خطر — ہیں اِدھر کھائی اور چڑھائی ہی اُدھر ... کی

دیکھتے ہیں فقر و غنا میں جو یہ حالت بین بین — ہیں حسد اور کبر کے امراض مہلک سے بری

اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آتا ہے رشک — دیکھ کر ادنیٰ کو کر لیتے ہیں اپنی دل دہی

سُن کے ہو جاتے ہیں سیدھے وہ بڑوں کا فخر و ناز — ملکے چھوٹوں سے بہک جاتا ہی گر ختا کبھی

لذّتِ فقر و غنا دونوں سے ہیں وہ آشنا — اغنیا میں ہیں فقیر اور ہیں فقیروں میں غنی

جو گذرتی ہے گدا پر اُس سے ہیں وہ باخبر — کیونکہ حالت گاہ گاہ اُن پر بھی گذری ہے یہی

امتحان دولت کے بھی ہیں کچھ نہ کچھ جھیلے ہوئے — کیونکہ ہے ہر گھونٹ میں اس مے کے بدمستی وہی

اِس لئے جب دیکھتے ہیں عسرتِ ابنائے جنس — جوش ہمدردی ہے بیکل ان کا ہو جاتا ہے جی

اور نہیں کرتے زباں طعن بیدردی سے وا — جبکہ سنتے ہیں کسی منعم کی از خود رفتگی

مست کی بے اختیاری تشنگی مخمور کی — واردات اِک ایک کی ہے سربسر اُن پر کھلی

جنّت اور دوزخ ہے اسرافیوں پر جلوہ گر

گندم اور زقوم دونوں اِن کے ہیں پیشِ نظر

دِل توانا اور قوی بازو کی ہمّت اِن سے ہے — نظم ہر قوم و ملّت کی جماعت اِن سے ہے

فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کم نعمت نہیں
پر نہ دی ثروت سو اُسکے شکر کی طاقت نہیں

نشۂ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا محال
اِس میں مردِ آزما کی بھی بہت مشکل سنبھال

نفسِ امّارہ او وسائس پر چھیڑ مال و جاہ کی
ڈھیر ہے بارود کا جیسے پتنگا جس میں ڈال

بادِ صرصر آگ کو اِس طرح بھڑکاتی نہیں
جس طرح جذباتِ نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال

ہضم کرنا اور بچانا مال و دولت کا ہے بس
نفسِ انسان میں اگر بالفرض ہے کوئی کمال

ورنہ مال و جاہ و مکنت کا جہاں آیا قدم
اور ہوئے سلب آدمی سے آدمیت کی خصال

عقل ٹھہراتی ہے جو افعال انسان پر حرام
کر دیئے اُسکے لئے سب مال و دولت نے حلال

فقر میں تھا نفسِ دوں امّارہ جس پرواز سے
آکے ثروت نے دیئے پر واسطے اِسکے نکال

خواہشیں یوں نفس میں اب دم بدم بڑھنے لگیں
مغز میں جس طرح دیوانہ کے گوناگوں خیال

آپ کو گننے لگا بالا تر از ابنائے جنس
چیونٹوں میں ایک نے گویا نکالے پر و بال

مسرفِ بے زر ہو جیسے قرضخواہوں میں گھرا
خواہشوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہے بال بال

جُھک پڑی طبعِ دنی گر بخل و خست کیطرف
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اِسکی وبال

اور اگر بھوت اُس کے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہیں گنجینۂ قارون کچھ آگے اُس کے مال

آگیا غالب طبیعت پر گر استغنائے حرص
ہے سمندر سے بھی اِسکی پیاس کا بجھنا محال

باڑھ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اِس قدر
جس قدر ثروت میں ہے دشوار پانا اعتدال

گلشنِ دولت کے ہوں انگور میٹھے بھی اگر
دیکھ اے روباہِ نفس اِن حذر اِن سے حذر

راحتیں اکثر میسّر آئیں تکلیفوں کے بعد تا کہ کھو بیٹھیں نہ ہم اِن راحتوں کو رائیگاں

وقت پر کرتا رہا بارانِ رحمت سے نہال

قحط اور طوفان دونوں سے بچایا بال بال

الحذر اِس فقر و ناداری سے سو بار الحذر لومڑی بن جاتے ہیں جس کی بدولت شیر نر

چاپلوسی جا کے کرتے ہیں سفیہوں کی فقیر ناکسوں کے ناز بیجا سہتے ہیں اہلِ ہنر

وزن میں علم و فضیلت جنکی ہے ہم سنگ کوہ وہ سبک تر وانۂ خردل سے آتے ہیں نظر

فقر و حاجت میں ہو انسان کو جب صبر و شکیب پھر نہیں کوئی بُرائی فقر و حاجت سے بتر

بھیک منگوا لے جو اکھلوا لے یہ چوری کرا لے پت گنوائے آبرو کھوئے پھرائے دربدر

ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد اللہ کی لے سکے محتاج جورو کی نہ بچوں کی خبر

گہ زباں آلودہ اِس کی شکوہ تقدیر سے اور کبھی بوچھاڑ اُس کی آسمانِ پیر پر

گہ بخیلوں کی مذمت پر کبھی آجائے وہ ہو نہ سب و شتم سے سیری اُسے دو دو پہر

اُگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاقِ بزم تلخ کھول دے غیبت کا دفتر اہلِ دولت کی اگر

گہ وبائے عام کی مانگے دعا اللہ سے تا کہ دولت مند بھی کچھ دن رہیں آسیمہ گر

اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب تا کہ ہو جائیں بلند اور پست سب زیر و زبر

بے حلاوت اسکی دُنیا اور مذبذب اسکا دین خوفناک اس کا ارادہ نیت اس کی پُر خطر

رات اسکی حسرت آگیں اور دن اندوہگین شام اُس کی پر نحوست اور شوم اسکی سحر

گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ تھی کوئی بلا تھا مگر ثروت میں اُس سے بھی زیادہ شور و شر

جب ہوئے پیاسے تو بخشا آب شیریں اور خنک — پر نہ ایسا۔ ہو صراحی جسکی یاروں سے نہاں

ڈھانکنا چاہا بدن جب۔ تو دیا تونے لباس — پر نہ ایسا جسکو حسرت سے تکیں خرد و کلاں

کھانے پینے کو کئے برتن ہمیں تونے عطا — پر نہ ایسے۔ ٹوٹنے سے جنکو ہو خوف زیاں

سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں — پر نہ ایسا۔ جس سے اُٹھنا ہو طبیعت پر گراں

رہنے سہنے کو دیئے گھر تونے ہم کو ہر جگہ — پر نہ ایسے۔ ہو تعلق جن سے مثل جسم و جاں

آنے جانے کو دیئے دو پاؤں ہاں تونے ہمیں — جن سے ڈرنے بھاگنے کا اور گرنیکا گماں

راہ اور بے راہ یکساں جن کو ہنگام خرام — کوہ سنگ راہ جن کا اور نہ خندق اور کنواں

کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر — پر نہ ایسی۔ تخت فرعونی کا ہو جس پر گماں

سیم و زر وقت ضرورت ہم کو تو دیتا رہا — پر نہ اتنا۔ ہو نگہبانی میں جس کی بیم جاں

آبرو تونے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز — پر نہ ایسی۔ جس سے ہوں محسود ابنائے زماں

نعمتیں اکثر ہمیں بعد از مشقت تونے دیں — تاکہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پر عیاں

---

[1] حاشیہ صفحہ ۱۸۰) حالت سے بہتر بتایا گیا ہے۔ متوسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اپنی ذاتی کوشش اور سلف ہلپ سے دولت عزت نیکنامی یا علم و فضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کرکے اپنے ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنیٰ درجے سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو اپنی پست حالت سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا چاہتے ہیں مگر وہ نہیں بڑھ سکتے اعلےٰ درجہ سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو دولت و عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت میں پیدا ہوئے مگر اس حالت سے ترقی کرنیکی ضرورت نہیں سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اس سے تنزل کرنے کا کچھ انسداد نہیں کرتے ۱۲ حالی

گرچہ کی ہے کوشش اِن نظموں کے لکھنے میں بہت — اور جگہ انگشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں

رہ گیا پر ہم سے اِس کوشش میں باقی اک قصور — درگذر فرمائیں گے سرکار اِس سے ہے یقین

اور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں اِن میں۔ مگر — جھوٹ۔ جو اشعار کا زیور ہو وہ اِن میں نہیں

١٢۔ قطعہ مرتبہ ١٣٠٩ھ بمقام حیدرآباد

در شکر اضافہ وظیفہ بہ پیشگاہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر

اے بشیر دولت و دین نائب شاہِ دکن — اے مہاتِ دکن کا ذات پر تیری مدار

مجھ پہ فرمایا ہے جو لطف و کرم سرکار نے — شکر اُس کا کر نہیں سکتا ادا میں زینہار

جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ ور مقصود سے — پہلے ہو لیتے ہیں صدہا مشکلوں سے وہ دوچار

کوئی دُنیا میں نہیں ہوتی بغیر اِسکے فتوح — ہے اِسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار

پر ملا مقصود جب حالی کو اِس ویسے ملا — بے تردد۔ بے تذلل۔ بے طلب۔ بے انتظار

قدردانی گر زمانہ میں یونہیں ہو جائے عام — پائیں بے مانگیں مرادیں اپنی سب امیدوار

یارب اِس سرکار کو ہی جس سے عالم فیضیاب — جب تلک دنیا ہے دُنیا میں رکھیو برقرار

١٣۔ ترکیب بند مرتبہ ١٨٩١ء مطابق ١٣٠٩ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں بمقام علی گڈھ پڑھا گیا

شکر اُس نعمت کا یارب کر سکے کیونکر زباں — تو نے رکھا ہمکو یاں فقر و غنا کے درمیاں

جب ہوئے بھوکے تو بخشی تو نے نان و نانخورش — پر نہ اتنی معدہ و احشا پہ جو گذرے گراں

۱؎ اِس نظم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغنیا دونوں کی (بقیہ حاشیہ صفحہ ١٨١ پر)

انجمن کے منعقد ہونیکی دی جس نے رضا ... تقویت سے جس کی ہر مشکل ہماری حل ہوئی
جسکے قدموں میں یہ زیبا ہی کہ دیں آنکھیں بچھا ... پھر ادا کر جان و دل سے شکر صدر انجمن
قوم کی دی عزت اور انکی امیدیں بڑھا ... جس نے قومی انجمن میں بن کے صدر انجمن
ورنہ ہے حالی دکن کی دلفریب آب و ہوا ... لیکے اذن صدر مجلس کیجیئے پھر قصد وطن
قافلہ سے چھوٹ نہ جائے قافلہ سالار کا ... باندھ لیجیے جلد اب رخت سفر ڈر ہی کہ ساتھ

۱۱۔ قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ

بمقام حیدرآباد دکن

اول اس کا شکر کرتے ہیں ادا اور بعد ازیں ... یاد بلا کر دی ہے جو عزت ہمیں سرکار نے
عرض کرنیکی اجازت ہو اگر اپنے تئیں ... خدمت والا میں ہیں اک عرض کرنی چاہتے
جو لیاقت اسمیں ہے درکار وہ ہم میں نہیں ... شاعری جس کو سمجھتے ہیں کمال ابنائے دہر
چند نظمیں انجمن میں اس لیے ہم نے پڑھیں ... شکر کرنا تھا ہمیں سرکار عالی کا ضرور

---

[۱] ۱۳۰۹ھ میں جو راقم اور مولانا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل سر سید احمد خان بہادر کے ہمراہ علیگڈھ محمڈن کالج کی طرف سے بطور ڈپوٹیشن کے حیدرآباد دکن میں بحضور سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر ایک عام جلسہ بصدارت نواب وقار الامرا بہادر بشیر باغ میں منعقد ہوا تھا جسمیں راقم نے اور مولانا محمد شبلی اور بعض اور صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار عالی کے شکریہ میں پڑھی تھیں، جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھکو اور مولانا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لیے دولت خانہ پر طلب فرمایا تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اس وقت موزوں کیا گیا تھا۔ راقم نے پڑھا تھا ۱۲

ذی لیاقت جتنے تھے ہندوستان میں انتخاب ۔۔۔ دولتِ عالی نے چُن چُن کر لیا سب کو بلا

تربتیں اور خانقاہیں۔ مدرسے اور مسجدیں ۔۔۔ سب کی ہوتی ہے مدد اِس گھر سے بیچون وچرا

حج بیت اللہ سے۔ جو ہر مسلمان پر ہو فرض ۔۔۔ ہے دکن آنا مقدم۔ شک نہیں اس میں ذرا

اوّل آنا چاہیئے یاں استطاعت کے لئے ۔۔۔ کیونکہ ہے بے استطاعت۔ حج کو جانا ناروا

خرچ سے ہاتھ اک مسلمان کا ہو گر اتر میں تنگ ۔۔۔ ہے دکن کی سمت وہ گردن اُٹھا کر دیکھتا

خواب آتے ہیں دکن کے اُس کو سوتے میں نظر ۔۔۔ قوم کا بچہ مڈل سے جب ذرا آگے بڑھا

ہند میں کرتے ہیں کوشش جو رفاہ خلق میں ۔۔۔ اور مدد کو جن کی واں حاضر ہے ہر چھوٹا بڑا

چلتے چلتے اِنکی گاڑی بھی اٹک جاتی ہے جب ۔۔۔ کھینچنے کو اُسکے جاتا ہے یہیں سے بینڈیا[1]

ہو دکن کی مسلمانوں کی یارو وہ مثال ۔۔۔ اِک سمندر ہے کہ ہر سو جس میں ہے طوفاں بپا

تھا جہاز اِک اِسمیں معمور اہل فضل و جاہ سے ۔۔۔ لطمۂ امواج نے پرزے دیئے اُسکے اُڑا

ڈوبنے والے بھی جو وہ ڈوب کر اُچھلے نہ پھر ۔۔۔ بچ رہے ہیں جو وہ ہر سو مارتے ہیں دست و پا

کوئی کشتی یا جہاز آتا نہیں اُن کو نظر ۔۔۔ اِس محیط بیکراں میں ایک زورق کے سوا

ہے وہ زورق فی المثل سرکار آصفجاہ کی ۔۔۔ ہے مسلمانوں کو اب لے دے کے جس کا آسرا

ہے دُعا جس وقت تک پانی سمندر میں رہے ۔۔۔ یارب اِس زورق کو تو موجِ حوادث سے بچا

ختم حالیؔ سپاس صدر اعظم پر سخن ۔۔۔ بال بال اپنا ہے جس کے شکر میں جکڑا ہوا

---

[1] جب گاڑی یا چھکڑا بیلوں سے نہیں کھنچ سکتا تو بیلوں کی جوڑی کے آگے تیسرا بیل لگا دیتے ہیں اُس کو بینڈیا کہتے ہیں ۱۲

ہم گویاں کہنا تھا کچھ اور کہہ گئے بھولے سے کچھ   رہگذر کی سیر نے منزل سے غافل کر دیا
قصہ کوتہ۔ بار جب ہم کو ملا دربار میں   کہہ نہیں سکتے کہ بیداری تھی وہ یا خواب تھا
دیکھ کر اپنی رسائی تخت آصف جاہ تک   واقعہ مور اور سلیمان کا ہمیں یاد آگیا
حضرتِ والا نے جس شفقت سے کیں نذریں قبول   اسپہ گر جان اپنی ہم قربان کریں تو ہے بجا
جس توجہ سے سُنی رو داد قومی درسگاہ   شکر سے اُس کے نہیں ہو سکتے ہم عہدہ برآ
جب سے کالج کی علی گڈھ میں بنا ڈالی گئی   دولتِ عالی مدد کرتی رہی اِس کی سدا
جو لگایا تھا درخت اُس کی ہمیشہ لی خبر   دمبدم پانی دیا یاں تک کہ بارآور ہوا
اب کہ وقت آ کر پڑا تھا بانیٔ کالج پہ سخت   دولتِ عالی نے شرط دستگیری کی ادا
مشکلیں جس طرح کی تھیں قوم کی اوّل پہل   کی اُسی وسیادلی سے اُن کی پھر حاجت روا
خود علی گڈھ کالج اور اُس کے در و دیوار سب   راگ گائیں گے سدا احسان آصفجاہ کا
ہند میں باقی ہیں نسلیں جب تلک اسلام کی   جیتے جی ہونگی نہ اُسکے طوقِ منت سے رہا
کی ہے سر سیّد نے جو کوشش فلاحِ قوم میں   اِس کو ہے لے اہلِ مجلس اِک زمانہ جانتا
پر بغیر سیّد سے بیڑا پار ہونا تھا محال   دولتِ عالی اگر بنتی نہ اِس کی ناخدا
تھا پڑا سیّد کا سچ پوچھو تو خشکی میں جہاز   دولتِ عالی نے اُس خشکی پہ دی گنگا بہا
ہے روایت۔ جبکہ ہجرت کرکے ختم المرسلین   پہنچے یثرب میں تو یہ ارشاد یاروں سے کیا
جس طرح ہوتی ہے اپنی سانپ کی جائے پناہ   ہوگا ملجا اب مدینہ بھی یونہیں اسلام کا
ہے بلا تشبیہ۔ دار الملک آصفجاہ بھی   ہند میں اب مرکزِ اسلام ہے رہ گیا

وارثِ ملکِ دکن ہے آج وہ محبوبِ خلق — نام پر دیتا ہے جس کے جان ہر چھوٹا بڑا
ہم کہ ہیں وکٹوریہ کے عہدِ رافت میں پلے — امن و آزادی کی ہم نے کھائی ہے برسوں ہوا
جانتے ہیں ہم کہ ملتی ہے رعیت کس طرح — کس طرح ہوتے ہیں مقبولِ جہاں فرمانروا
کرتے ہیں کس منتر اور افسوں سے تسخیرِ قلوب — کس طرح بوتے ہیں دل میں خلق کے تخمِ وفا
کر لیا محکوم کے دل میں اگر حاکم نے گھر — تو نہ سمجھو حقِ حکومت کا کیا اس نے ادا
ہے یہی شاہِ دکن کی گلہ بانی کی دلیل — گلہ اپنے گلہ باں پر جان و دل سے ہے فدا
پوچھنے پچھنے کی اہلِ ملک سے حاجت نہیں — اُنکی خوشحالی پہ انکی تازہ روئی ہے فدا
دیکھتے آئے تھے جیسے راہ میں ہم سبزہ زار — خلق کو سرسبز دیکھا آکے یاں اُن سے سوا
راہ میں دیکھے تھے ہم نے کوہ اگر گردوں شکوہ — آکے دارالملک میں دیکھے محل گردوں نما [1]
عالموں کی سخت گیری سے ہیں سب آزادیاں — بینوا سے منعم اور منعم سے بڑھ کر بے نوا
اغنیا میں ہم وہ استغنا نہیں پاتے کہیں — جیسا بے پروا نظر آتا ہے یاں ایک اک گدا
جتنی یاں قومیں ہیں رکھتی ہیں باہم میل جول — بے تعصب بے تکلف بے تصنع بے ریا
ایک کے تہوار میں بے عذر ہیں سارے شریک — ایک کی تقریب میں ہمدم ہیں سب اور ہم نوا
دولتِ عالی نے حق سب کو برابر ہیں دیئے — ایک پر ترجیح کچھ رکھتا نہیں یاں دوسرا
پارسی - ہندو - مسلمان - یا مسیحی کوئی ہو — ہے دکن کو ہر کوئی اپنی ولایت جانتا

---

[1] یہ اشارہ ہے اس محل کی طرف جو کہ نواب وقار الامرا بہادر نے بلدہ حیدرآباد کے باہر جانب جنوب پہاڑ پر زرِ خطیر صرف کر کے اپنے رہنے کے لئے بنوایا ہے اور اُس کا نام فلک نما رکھا ہے ۱۲

۱۰۔ قصیدہ[1] مرتبہ ۱۳۰۹ھ

اے صفر کی دوسری روز دوشنبہ مرحبا — ہم نہ بھولیں گے کبھی وہ تیری صبح جانفزا

ہم نے رکھا آکے جب بلدہ کی سرحد میں قدم — پھر گیا آنکھوں کے آگے اپنی اک عالم نیا

عزت قومی ۔ ترستی تھیں سدا آنکھیں جسے — اس کے کچھ آثار دیکھے ہم نے یاں شکر خدا

کھوج میں جس کے پھرتے تھے اک مدت سے ہم — آکے بلدہ کے سواد میں لگا اس کا پتا

بھیک کو نکلے تھی گھر سے کچھ بھکاری قوم کے — جھولیاں ڈالے گلے میں دربدر دیتے صدا

پہنچے لینے ان کو وہ اعیان دار الملک سے — دولت عالی کو جن کی ذات پر ہے اتقا

قوم کو ہے جن پہ فخر اور ملک کو ہے جن پہ ناز — سلطنت کے جو ہیں اعضا اور وزارت کے قوی

صدر اعظم نے ہمیں بخشا اقامت کے لئے — وہ سرابستان خجل ہو جس سے جنت کی فضا

یعنی مدار المہام ۱۲

ہم غریبوں کو سمجھ کر اک سفارت قوم کی — دی وہ عزت شکر جس کا ہو نہیں سکتا ادا

پیشتر مہماں نوازی کا فقط سنتے تھی نام — آکے یاں سمجھے کہ ہے مہماں نوازی چیز کیا

کی ہے نواب اقتدار الملک نے جو مرحمت — اس نے کلفت کو سفر کے دل سے بالکل دھو دیا

یہ مقولہ ہند میں مدت سے ہے ضرب المثل — جو کہ جا پہنچا دکن میں بس وہیں کا ہو رہا

ہے دکن کی وہ یہی شاید مسافر پروری — جو دکن میں آکے دیتی ہے وطن دل سے بھلا

---

[1] یہ قصیدہ ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء مطابق صفر ۱۳۰۹ھ میں بمقام حیدرآباد دکن جبکہ ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر مع اکثر رفقا کے جن میں سے ایک راقم بھی تھا بطور ڈیپوٹیشن کے محمڈن کالج علی گڑھ کی طرف سے حضور سرکار نظام میں حاضر ہوئے تھے ایک جلسۂ عام میں پڑھا گیا تھا جس کے صدر انجمن جناب نواب وقار الامرا بہادر تھے ۱۲ حالی

۹ - قطعہ مرتبہ ۱۳۰۸ھ

تہنیت ولادت فرزندارجمند در شبستان اقبال جناب نواب سرآسمان جاہ بہادر مدارالمہام سرکار عالی

فیض رب ذوالمنن سے۔ مژدہ اے اہلِ دکن نائبِ دولت کا نخل آرزو لایا ثمر
دی بشیرِ دولت و دین کو وہ حیزاللہ نے جس سے پایا دیدۂ یعقوبؑ نے نورِ بصر
جس کو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے حق نے دی جس کے عطا ہونیکی سارا کو خبر
جس کے ملنے سے ہوا داؤد ممنونِ قضا جس سے پانے سے ہوا ایوبؑ مرہونِ قدر
جس کے بدلہ میں علی الرغم شماتت پیشگان حق سے ختم الانبیا نے پائے شبیرؑ و شبرؑ
جو بضاعت ہے گدا کی اور دولت شاہ کی جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا ثمر
جس سے مستغنی دلی ہیں اور نہ عارف بے نیاز جس سے ہیں اجداد زندہ اور اماجد نامور
صدر اعظم کو دیا صد شکر خالق نے خلف خلق کی آخر دعاؤں کا ہوا ظاہر اثر
یہ پسر یارب بحق عترتِ خیرالورے پلے عمر خضر زیر سایۂ مہر پدر
صدر اعظم کی طرح دربار آصفجاہ میں جایگاہ قرب سلطانی ہو اس کا مستقر
دولت و ثروت کو اسکی ذات سے لگجائے شان زیورِ علم وادب سے ہو مجلّی اس قدر
سیرت و عادت کو اسکی نکلے آن اجداد کی جوہر اخلاق فاروقی[۱] ہوں اس میں جلوہ گر
ملک آصف جاہ میں سرآسمان جاہ اور وہ رات دن رکھیں اجالا صورتِ شمس و قمر

۱؎ اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سرآسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں ۱۲

نشاط و عشرتِ جاوید کی ہے اُن کو نوید — دل ایسا جن کو عنایت خدا نے فرمایا
سُنا تھا کان سے جو ذکرِ خیر عہدِ سلف — سو آنکھ سے وہ وزیرِ دکن نے دکھلایا
بشیرِ دولت و دین صدرِ اعظم امرا — نہیں ہے جس کا کوئی قرب شہ میں ہمپایا
جو ظلِ حق ہے رعیت کے سر پہ شاہِ دکن — تو اعظم الامرا ظلِ حق کا ہے سایا
ہمیشہ جس کو ہے بہبود ملک مدِ نظر — رفاہ و امن ممالک میں جس نے پھیلایا
اُٹھایا فتنہ نے جب سر۔ فرو کیا اُس کو — پڑا عمل میں جہاں عقدہ اُس کو سُلجھایا
بنائے نظم و نسق جس نے رکھی شوریٰ پر — مشیر کار خرد پروروں کو ٹھہرایا
دکن کو جس نے کیا مرجع خواص و عوام — دکن کا جس نے کہ ڈنکا جہاں میں بجوایا
نہ کوئی ملک میں سرکش رہا نہ نافرمان — جفا و ظلم کو توڑا غرور کو ڈھایا
بل انتظام کے رشتہ میں پڑ رہے تھے بہت — سو تکلے کی طرح اِک ایک بَل نکلوایا
لگا گئے تھے وزیرانِ رفتہ جو پودا — وہ صاحبی میں وزیرِ زمان کی پھل لایا
ترقی اب یہ تمدن میں کی ہے بلدہ نے — کہ اپنی حالتِ پیشین سے خود ہی شرمایا
زمانِ حال سے ماضی کو دیکھیے کیا نسبت — اندھیری چھائی ہوئی تھی کہ دن نکل آیا
خدا دراز کرے عمر اعظم الامرا — دکن کو جس کی حکومت نے دن یہ دکھلایا
زمیں پہ سایہ فگن جب تک آسمان ہے — رہے دکن پہ حضور نظام کا سایا
تھی کوئی چیز نہ حالی کے پاس لائق نذر — سو یہ چگامہ ناچیز پیشکش لایا
یہی بس اس کے لیئے ہوگا مایۂ نازش — جو اعظم الامرا نے قبول فرمایا

اگر خوشی کا زمانہ کی ہے یہی عالم
تو بھو غم کا عوض غمزدوں نے بھر پایا

مگر یہ عاریتی انبساط ہے سب ہیچ
اِس انبساط پہ غافل ہے جو کہ اترایا

فریفتہ ہوئے جو ایسی ایسی خوشیوں پر
اُنھوں نے آب کا دھوکا سراب پر کھایا

خوشی ہے جس سے عبارت وہی خوشی اُنکی
جنھوں نے خلق میں ذکرِ جمیل پھیلایا

جنھوں نے دین کے گرتے ستون کو تھاما
جنھوں نے علم کا بجھتا چراغ اُکسایا

جنھوں نے ملک کے امراض کو کیا تشخیص
جنھوں نے قوم کے افسردہ دل کو گرمایا

جنھوں نے خلق سے اپنا بنایا غیروں کو
جنھوں نے لطف سے وحشی دلوں کو پرچایا

خبر مریضوں کی لی جاہلوں کو دی تعلیم
کھلایا بھوکوں کو بے پوششوں کو پہنایا

ہوا زمین پہ جس سال آسمان مُمسک
مینھ اپنی داد و دہش کا اُنھوں نے برسایا

ہوائے دہر اگر ہو گئی کبھی فاسد
فضائے دہر کو خلق حسن سے مہکایا

سدا غریبوں کی امداد پر رہیں جو تیار
لیا سنبھال اُسے جس نے ہاتھ پکڑایا

ہمیشہ مانگنے والوں کو بیدریغ دیا
نہ مانگ سکتے تھے جو اُن کے گھر پہ پہنچایا

نہ سمجھا آپ کو اک پاسبان سے بڑھ کر
اُنھوں نے لطف حکومت اسی میں کچھ پایا

نہ پائی کھانے میں لذت نہ چین سے سوئے
ستم رسیدہ کا جبتک کہ حق نہ دلوایا

وغا میں شیر مگر وقت رحم مور ضعیف
کسی کی آہ سُنی اور دل ان کا بھر آیا

وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا تاراج
جو شاہ راہ میں پتا کسی نے کھڑکایا

وہ چونک اُٹھے کہ گویا قیامت آپہنچی
جو در پہ آکے کوئی دادخواہ چلایا

اب خدا سے یہ دُعا ہے کہ جہاں ہیں جب تک — شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احساں

آسمان جاہ سے ہو تقویت مُلکِ دکن — اور رہے مُلکِ دکن ملجا و ماوائے جہاں

دولتِ قیصری و دولتِ آصفجاہی — ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیباں

۸۔ قصیدہ مرتبہ سنہ ۱۳۱۶ھ

تہنیت عید الفطر۔ بہ جناب نواب سر آسمان جاہ مدار المہام سرکارِ عالی

مہ صیام گیا اَور روز عید آیا — خوشی کا عید کی حق ہر کوئی بجا لایا

کیا خدا کا ادا شکر روزہ داروں نے — کہ اپنے صبر کا اِنعام ہم نے بھر پایا

رہیں منت ساقی ہیں بادہ خوار تمام — کہ تیس روز کے پیاسوں کا روزہ کھلوایا

گئے ہیں ایسے مساجد سے معتکف خوش خوش — کہ جیسے طفل ہو مکتب سے چھوٹ کر آیا

شگفتہ آتے ہیں اِس طرح عید گاہ سے لوگ — کہ گنج اُنھوں نے ہے گویا خرابہ میں پایا

حسین چاؤ میں پھُولے نہیں سماتے آج — کہ دن خدا نے نمائش کا اُن کو دکھلایا

عزیز دوست گلے ملتے پھرتے ہیں باہم — خدا نے سیکڑوں روٹھوں کو آج منوایا

حکیم ہیں متفکر نہ زاہد افسردہ — خوشی نے دی ہے زمانہ کی کچھ پلٹ کایا

غنی ہیں شال میں مست اَور گدا ہیں کھال میں مست — ہے ایک خوان سے منعم نے سب کو چھکوایا

اِدھر ہے فصل بہار اَور اُدھر ہے عید الفطر — سماں نشاط کا ہے شہر و دشت پر چھایا

کھلے ہیں اُس کے عوض دشت میں کروڑ وں پھُول — جو غم سے شہر میں آج ایک دل ہے کمھلایا

ہزاروں سروِ خراماں ہیں شہر میں ہر سُو — جو دشت میں کوئی پودا ہے آج مرجھایا

آسمان جاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گذار ‏ ‏ ملک میں اُس کا ثنا خواں ہی ہر اک پیر و جواں

یاں وہ اُن کھیتیوں کو دیکھے گیا ہے پانی ‏ ‏ آنکھ اِسلام کی خود جن کی طرف ہے نگراں

قوم اِس وقت ہے تعلیم کی جتنی محتاج ‏ ‏ ہے وہ عالم پہ ہویدا نہیں محتاجِ بیاں

عزت۔ آسودگی اَور مذہب و ملت اُن کا ‏ ‏ ہو نہ تعلیم تو ہیں سب کوئی دن کے مہماں

پھر نہ قدر اُنکی کچھ آنکھوں میں خلایق کی بلند ‏ ‏ اَور نہ وزن اُنکا ترازو میں حکومت کی گراں

آسمان جاہ پہ برکت ہو خدا کی جس نے ‏ ‏ درد کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہے درماں

مدرسے قوم کے اُس مُلک میں جو ہیں ممتاز ‏ ‏ جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشاں

اُن کی امداد سے نواب نے کی ہے قایم ‏ ‏ چشم عالم میں مسیحائی پہ اپنی برہاں

کرتے ہیں زندہ جاوید۔ بنی نوع کو۔ جو ‏ ‏ بذل کرتے ہیں پئے تربیت اہلِ زماں

ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی جس کا ‏ ‏ مُلک پر قوم پہ تا دیر رہے گا احساں

یہی بخشش ہے یہی جود ہے راس الحسنات ‏ ‏ جس پہ موقوف ہے بہبودیِ نسلِ انساں

یہی امداد ہے جس سے ہوئیں قومیں سرسبز ‏ ‏ یہی تدبیر ہے جس سے ہوئے مُلک آباداں

یہی قوت ہے کہ ہوتی ہیں قوی جس سے ضعیف ‏ ‏ یہی حکمت ہے کہ ہوتے ہیں سُبک جس سے گراں

دی لگا ایک نے پانی کی سرِ راہ سبیل ‏ ‏ کی ہمیشہ کے لئے ایک نے واں نہر رواں

اُس کی خواہش تھی کہ ہونے رہیں پیاسے سیراب ‏ ‏ اُس نے چاہا کہ رہے پیاس کا باقی نہ نشاں

برکتیں علم کی جو مُلک میں پھیلاتے ہیں ‏ ‏ نہر جاری ہی ہے ذات اِن کی سوا فیض رساں

بخت اِس مُلک کے جس ملک میں ایسا ہو وزیر ‏ ‏ حامی علم و خریدار کمالِ انساں

جس بھائی کے آغوش میں ہوش اُسنے سنبھالا　　جس بھائی کے سایہ میں کٹی اس کی جوانی
شفقت نے دیا جس کی بھلا مہرِ پدر کو　　دی آنے کبھی دل پہ نہ بھائی کے گرانی
جیتا بھی رہا بھائی گر اُس بھائی کے پیچھے　　لذّت نہیں جینے سے نصیب اُس کو اُٹھانی
دِل مردہ ہو حالی کی طرح جس کا عزیزو　　کیا ڈھونڈھتے ہو اُسکی طبیعت میں روانی
یہ چُپ نہ لگائے کسی دشمن کو بھی اللہ۔　　یہ چُپ نہیں مرجانے کی ہے دل کے نشانی
بولیں گے بھی سو بار ہنسیں گے بھی جہاں میں　　یہ ناؤ ہے ہر طرح ہمیں پار لنگھانی
پر آہ۔ کلی وہ جو ہے مرجھا گئی دل کی　　مشکل ہے وہ ہنس بول کے آپس میں کھلانی
باقی رہیگا داغ سدا بھائی کا دل پر　　ہر چند کہ فانی تھا وہ اَور ہم بھی ہیں فانی

۷۔ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۵ ہجری

بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

آسماں جاہ کی خدمت میں یہ حالی کی ہے عرض　　کہ اگر میرا ہر ایک رونگٹا ہو جائے زباں
شکر ممکن نہیں اِس کا کہ مجھے گھر بیٹھے　　اُس نے ممتاز کیا بھیج کے شاہی فرماں
نہ ہوئی مجھ سے کوئی خدمتِ سرکار نظام　　نہ کیا میں نے کبھی طوفِ درِ صدر زماں
نہ کوئی مجھ میں ہنر ایسا کہ ہو لایق قدر　　اور نہ ایسا کوئی جوہر جو ہو قیمت میں گراں
حق نہ تھا دولتِ عالی پہ کوئی حالی کا　　جس کے جلدو میں وہ اُس لطف کا ہوتا شایاں
ہاں مگر ذات میں ہے فیض رسانی جنکی　　ڈھونڈ لیتے ہیں کوئی حیلہ برائے احساں
ہیں مربی ہنر و بے ہنری کے۔ جس طرح　　خار و گل دونوں کو کرتا ہے نہال آبِ رواں

وارث اُس پہ قوم کے ہیں وہ قوم کی سپر ہے — قوم اُس سے بدگماں ہے وہ قوم پہ فدا ہے

ہمدردِ قوم ایسا ہم نے سُنا نہ دیکھا — یہ درد اُس کو جد کی میراث میں ملا ہے

تعلیم کی تمہاری بُنیاد اُس نے ڈالی — ملکوں میں جس کا چرچا ہر سمت ہو رہا ہے

بعد از قرونِ اولیٰ کس نے کیا بتاؤ — سیّد نے کام آکر جو قوم میں کیا ہے

۶۔ قطعہ مرتبہ ۱۳۰۳ھ

مرثیہ حسین برادرِ راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم

کل سوگ میں بھائی کے اُسے دیکھ کے چُپ چُپ — حالی سے کہا ہم نے کہ اے بحرِ معانی

خاموش کبھی ہم نے تجھے یوں نہیں دیکھا — کیا ہو گئی وہ تیری طبیعت کی روانی

شادی میں تری تہنیتیں ہم نے سُنی ہیں — ماتم میں بھی دیکھی ہے تری مرثیہ خوانی

ہنستا ہے نہ روتا ہے نہ نالہ ہے نہ نوحہ — کچھ کہہ تو سہی دل میں کیا تو نے ہے ٹھانی

دُنیا ہے یہ اک دارِ فنا جس کا اثاثہ — سب خاک سے تا انجم و افلاک ہے فانی

ہو جائے گر انساں یونہیں ہر رنج میں خاموش — کس طرح دلوں کے ہوں عیاں رازِ نہانی

اک آہ بھری سُن کے یہ حالی نے کہ جس سے — دل ہل گئے اور سب کے لہو ہو گئے پانی

فرمایا کہ موجوں سے بھنور کے نہیں آگاہ — ساحل پہ ہیں جو راہ سپرِ قاضی و دانی

حالی ہی کو معلوم ہے حالی کی حقیقت — مشکل ہے کہ سکھ دل کی عزیزوں کو دکھانی

آئے ہیں سدا بھائیوں سے بھائی بچھڑتے — موت ایک کے آگے ہے ضرور ایک کو آنی

پر بھائی ہو جس شخص کا حالی کا سا بھائی — غم بھائی کا مر جانے کی ہے اس کے نشانی

جس بھائی نے بیٹوں کی طرح بھائی کو پالا — سوکھی ہوئی کھیتی میں دیا باپ کے پانی

ہے یہ وہ احسان جس کے بار منت سے کبھی — قوم کی گردن نہ ہلکی ہوگی بے بروئے وریا
تیرے ظلِ تربیت میں گر رہا یہ نونہال — ہے یقیں پھیلیں گی شاخیں اسکی طوبیٰ سے سوا
فرض اگر کیجیے اُسے دیوارِ کاخِ آرزو — تو وہ پشتیباں ہے جس سے اس کی قائم ہے بنا
اور اگر کہیے کہ ہے یہ قوم کی کشتِ مراد — تو ہے اُس پر ابرِ رحمت کی طرح چھایا ہوا

۵- قصیدہ ناتمام مرقومہ ۱۲۹۴ھ[1]

سرسید احمد خاں دام بقاؤہم کی شان میں

پنہاں نہیں ہے یارو سب پر کھلا ہوا ہے — جو حال آج اپنا اور اپنی قوم کا ہے
ہے اک لکیر باقی جس پر فقیر ہیں ہم — خود سانپ بانبیاں سے کب کا نکل گیا ہے
اس پر بھی اے عزیزو ہے جائے فخر تم کو — دنیوں میں دین بیضا حق نے تمہیں دیا ہے
قبلہ ہے وہ تمہارا جو گھر ہے سب سے پہلا — ہادی ہے وہ تمہارا جو ختم انبیا ہے
دی ہے وہ مصلح کل حق نے کتاب تم کو — جس نے شریعتوں کو شیر و شکر کیا ہے
بخشی تمہیں حکومت حکمت تمہیں عطا کی — زور اِل سدا میاں تو تم سے نہیں رہا ہے
اس دورِ آخری میں جب یوں بگڑ چلے تم — اِک ہاشمی تمہارا مصلح کھڑا کیا ہے
سرسبز چاہتا ہے جو قوم کو جہاں میں — فتووں سے قوم کے گو کافر ٹھہر چکا ہے
وقت اپنا کام اپنا جان اپنی مال اپنا — یاروں پہ جس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے

---

[1] یہ قصیدہ اس وقت لکھنا شروع کیا گیا تھا جبکہ مدرسۃ العلوم کا بنیادی پتھر لارڈ لٹن اپنے ہاتھ سے رکھ چکے تھے اور سرسید کے کام تعجب کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے تھے۔ مگر بسبب مکروہات دنیوی کے پورا نہ ہوسکا۔

زمرۂ اہلِ یقین یا مجمعِ اہلِ سلوک ۴ نکتہ چیناں مجسطی یا خردہ گیرانِ شفا
شاعرِ شیریں نفس یا شلو سنجیدہ رائے ۵ فیلسوف و مستدل یا عارف علت رُبا
سب بے بدل ہیں الغرض جو روپ ہے اِس باغ میں ۶ بلبلِ جادو نوا ہو یا گلِ رنگیں ادا

بہرہ ور ہیں فیض سے تیرے بلادِ دور و دست — اے خوشا وہ سرزمیں جس پر ہو تو فرماں روا
بارِ محصولات سے یاں تک ہوئی ہلکی کہ اب — بارِ منت سے ترے پشتِ رعیت ہے دوتا
خیر تیری ہے حصارِ عافیت تیرے لئے — سیر ہو کر تجھکو دیتے ہیں بہت بھوکے دعا
نعمتیں حق کی نہ سمٹیں گی سمیٹی زینہار — ہر بھلائی کی ملی وہ چند گر تجھ کو جزا
خوانِ نعمت پر ہے تیرے میہمانوں کا ہجوم — نام پھر زندہ ہوا خوانِ خلیل اللہ کا
ہے یقیں تجھ پر پڑے اصحابِ محشر کی نگاہ — جب کہیں کس نے کیا حقِ میزبانی کا ادا
دولت و اقبال روز افزوں سے ہے تیرے عیاں — جو کہ حامیِ قوم کے ہیں اِن کا حامی ہے خدا
پرورش پاتی تھی جن کے سایۂ دولت میں قوم — لے گئی اُن کو بہا کر موجِ سیلابِ فنا
کچھ گھرانے رہ گئے ہیں جو کہ آتے ہیں نظر — ہند میں اب تکیہ گاہ اُمتِ خیر الوریٰ
یہ اگر بنتے نہ کشتیبان اِس طوفان میں — کشتیِ اسلام تھی منجدھار میں بے ناخدا
رہ گئی تیری خریداری سے شرم اہلِ فضل — ورنہ اُنکی جنس کا گاہک یہاں کوئی نہ تھا
مل گئے تھے گوہرِ درجِ شرافت خاک میں — خاک سے تو نے اُٹھایا اُن کو اور بخشی جلا
ہو رہے تھے دودمانِ علم و دولت جاں بلب — تو نے اِک اِک کے چوایا حلق میں آبِ بقا
کول میں پودا لگا ہے جو پئے تہذیبِ قوم — آبیاری سے ہے تیری ہی اُسے نشو و نما

جا لگے تیرے در پہ کشتیٔ عمر   جب کروں بحرِ زندگی سے عبور

جیتے جی دل میں یاد ہو تیری

مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور

۴۔ قصیدہ[1] مدحیہ ناتمام

نواب کلب علی خاں مرحوم رئیس رام پور کی شان میں

ظلِّ حق کلب علیخاں جسکے بذل و جود پر   ہند سے لے تا عرب ہیں خاصی و عامی گواہ

صاحبِ علم و عمل او رتابعِ احکامِ دین   زائرِ قبرِ نبی اور حاجیِ بیت الہدیٰ

شاعری میں فرد موسیقی میں فارابیِ عصر   صوت مدح افزا و صورت آیۂ صنعِ خدا

دولتِ برطانیہ پر اُس کی فرزندی کا حق   دولتِ عثمانیہ کو اِس سے پیوندِ ولا

اسکی ہیبت سے لرزتے ہیں مقرب اور جلیس   اور مروت پر ہیں نازاں مجرم و اہلِ خطا

مرجع اربابِ علم و فن ہے اُس کا بابِ فیض   قطعہ   یہ وہ دعویٰ ہے کہ خود دربار ہے اِس کا گواہ

کل زمینِ ہند میں تھے جو درختِ باردار ۲   اُن کو چُن چُن کر یہاں لایا چمن بند سخا

گر مناظر ہیں تو ہیں سردفترِ اہلِ کلام ۲   اور محدث ہیں تو ہیں سرچشمۂ علم و ہدیٰ

---

[1] یہ قصیدہ ۱۲۹۱ھ میں اس وقت لکھا گیا تھا۔ جبکہ نواب ممدوح علی گڈھ کے مدرسۃ العلوم کا پیٹرن ہونا منظور کر چکے تھے اور بارہ سو روپیہ سال کی جاگیر ہمیشہ کے لئے مدرسہ کے اخراجات کیواسطے اور کئی ہزار روپیہ نقد بطور چندہ کے دے چکے تھے، مگر مصلحۃً اُن کی خدمت میں بھیجا نہیں گیا۔ اور اسی لئے ناتمام رہا۔ اِس کے اوّل و آخر کے کچھ اشعار ضایع بھی ہو گئے ہیں ۱۲ +

طمع غالب ہے اور میں مغلوب — نفس قاہر ہے اور میں مقہور

بحرِ غفلت میں ہوں سراسر غرق — نشۂ کبر میں ہوں بالکل چور

چھوڑتی ہی نہیں خودی دامن — ہوں بہت اپنے ہاتھ سے مجبور

مہرِ فرزند و خواہشِ زر و سیم — طمع جاہ و فکرِ عیش و سرور

ایک بیمار اور سو آزار — ایک رنجور اور سو ناسور

نفس امارہ اور دیو مرید — یہ ہے افعی تو وہ ہے کلبِ عقور

مجھ سے جو کام چاہیئے لیجے — جھوٹ ہو یا فریب ہو یا زور

حسد و بغض و غیبت و بہتان — بخل و حرص و ہوا و فسق و فجور

ایک جو مجھ سے بن نہیں آتی — ہے وہ خدمت کہ جس پہ ہوں مامور

دل لگے بندگی میں کیا امکان — لب ہلے ذکرِ حق میں کیا مذکور

مایۂ عقل ہے نہ شورِ جنون — دلِ بیتاب ہے نہ جانِ صبور

نہ معاصی میں تلخیِ خجلت — نہ عبادت میں چاشنیِ حضور

فی المثل ہے مری مسلمانی — جیسے زنگی کا نام ہو کافور

ہاں مگر کچھ امید بندھتی ہے — تیرے زمرے میں گر ہوا محشور

جب ترے کارواں میں جا پہنچا — پھر رہا باب خلد کتنی دور

دوریِ آستان والا سے — ہے بہت تنگ حالیِ مہجور

اب دعا یہ ہے اے شفیعِ امم — بسکہ بیتاب ہے دلِ رنجور

چھیڑ دوں گر فسانۂ فرہاد — دل خسرو میں ڈال دوں ناسور

کرنے جاؤں جو حق سے عذرِ گناہ — لے کے آؤں نوید عفوِ قصور

لوں ملائک سے دادِ حسنِ کلام — گر لکھوں نعت سرورِ جمہور

وہ شہنشاہ امتی جس کا — یاں گنہگار اور واں مغفور

وہ خداوند خدمتی جس کا — یاں سبکسار اور واں ماجور

مژدہ اے امتِ ضعیف کہ یاں — سعی ہوتی ہے بے کئے مشکور

لبِ شیریں کلام سے اس کے — دوست بھی شاد غیر بھی مسرور

اثرِ فیضِ عام سے اس کے — کعبہ آباد میکدہ معمور

چرخ کو دے اگر وہ حکمِ سکون — ہو غلط نسخۂ سنین و شہور

صرصرِ قہر گر چلے اس کی — بن ہو مسلکِ صبا و دبور

جس طرف ہو وہ گرمِ نظارہ — جلوہ گر ہو ادھر سے لمعۂ طور

ہو جہاں لطف سے وہ سایہ فگن — موجزن ہو وہاں سے چشمۂ نور

بات پوچھو تو سوئے چرخ نگاہ — سینہ دیکھو تو علم کا گنجور

ہو سکے اس کی خوبیوں کا شمار — نعمتیں حق کی ہوں اگر محصور

اے ترا پایہ فہم سے برتر — اے ترا نام عرش پر مسطور

میں ترے در پہ سن کے آیا ہوں — نام تیرا شفیعِ روزِ نشور

کچھ نہیں زادِ راہ پاس اپنے — مگر امیدِ عفوِ ربِّ غفور

دِل احباب پر نہیں چلتا | سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور
ہوں تماشائے شہر نابینا | ہے برابر مرا خفا و ظہور
ذرہ یکتا ہوں اور ہوں کم آب | ماہ کامل ہوں اور ہوں بے نور
چشمہ پیدا و کاروان تشنہ | بادہ پرزور و انجمن مخمور
اس زمانے میں وہ غریب حال ہیں | جو وطن سے ہو لاکھ منزل دور
صاحب قدر و جاہ ہے جبتک | کارزما ہے چین میں فغفور
کاش اس عہد میں مجھے پاتے | تھا سخن جب کہ قبلۂ جمہور
کاش واں دیکھتے مجھے کہ جہاں | متنبّی تھا مادِحِ کافور
کون سمجھے مجھے کہ ہوں کیا چیز | انوری ہے نہ عرفی و شاپور
کون دیکھے مرے چمن کی بہار | مر گیا عندلیب[1] نیشاپور
جس سے ہوتا ہے خستہ سینہ ہوش | ہے زبان میری وہ دمِ ساطور
جس سے ہوتا ہے کور پروانہ | ہے مری شمع میں وہ لمعۂ نور
شرح نقطہ کی گر کروں تحریر | تنگ ہو عرصۂ نقوش و سطور
ترک عشق بتاں کریں عشاق | مجھ سے سن پائیں گر ستائش حور
گر کروں ذکر لذت طاعات | تلخ کر دوں مذاق فسق و فجور

---

[1] عندلیب نیشاپور سے مراد نظیری ہے۔ لیکن اگر وہ ہوتا تو اس سے زیادہ اور کیا قدر کرتا جیسا کہ شیخ علی حزیں نے سودا کی نسبت کہا تھا کہ در پوچ گویاں ہند غنیمت ست ۱۲ +

جیسے شہباز ہو قفس میں اسیر ۱ ہوں زمانہ کے ہاتھ سے مجبور
کبک قمری کو رخصتِ پرواز ۲ بال و پر مفت صعوہ و عصفور
جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہوں میں اس سے شکوہ نہیں کہ ہے معذور
لذتِ مے سے جو نہ ہو آگاہ اُس کو کیا قدر خوشۂ انگور
جس کے آنکھیں نہ ہوں وہ کیا جانے روز روشن ہے یا شب دیجور
پہلے ہوگی کسی کو قدرِ ہنر اُٹھ گیا اب جہان سے دستور
درد دل کا بیاں کروں کس سے بات کھوئی نہیں مجھے منظور
سخنِ حق کی داد لوں کس سے سُن چکا ہوں فسانہ منصور
دل آباد مُفت بے ہنراں ہو چکا خانۂ ہُنر معمور
مژدہ خسرو کو وصل شیریں کا ہو چکی سعی کوہکن مشکور
ہم نے دیکھی تمیز اہلِ نظر ہم نے دیکھا مذاق اہل شعور
ہے غرض اِن کو صوت موزوں سے نالۂ دل ہو یا نوائے طیور
ہو کسی شے سے انکی گرمی بزم داستان ہو وہ یا کہ در بن نور
ہے فقط روشنی سے ان کو کام موم ہو اصل شمع یا کافور
ہے یہاں قائل انا مردود ہو وہ فرعون وقت یا منصور
آپ اپنے سخن سے ہوں محظوظ دل اصحاب گو نہ ہو مسرور
یاں اگر کام ہے تو شیریں سے قصر خسرو کے اور ہیں مزدور

۳- قصیدۂ نعتیہ[1]

میں بھی ہوں حسنِ طبع پر مغرور — مجھ سے اُٹھیں گے اُن کے ناز ضرور

خاک ہوں اور عرش پر ہے دماغ — مجھ سے برتر ہے میری طبع غیور

خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے — میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور

نہ گنو اہلِ عصر میں مجھ کو — میں بہت کھینچتا ہوں آپ کو دور

چشمۂ آبِ خضر کے مانند — چشمِ اہلِ جہان سے ہوں مستور

دل سے داد اپنی لے چکا ہوں بہت — مجھ کو پروا نہیں کہ ہوں مشہور

مثلِ یوسف دکھائے جوہرِ ذات — جس کو بکنا ہو منتِ یاراں منظور

---

[1] اس قصیدہ کی تمہید ۱۲۸۵ھ یا ۱۲۸۶ھ کے بیانات میں سے ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ دلی میں نامور شعرا کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مومن۔ ذوق۔ آزردہ غالب۔ اور شیفتہ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں اور میدان بالکل خالی ہے۔ انہیں دنوں سیتارام کے بازار میں ایک مشاعرہ قرار پایا۔ مصرع طرح پر تین غزلیں بڑے دعوے سے لکھیں، جن لوگوں کی جا و بیجا تحسین و آفرین سے دماغ میں خلل آگیا تھا۔ اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں۔ وہ کسی وجہ سے باوجود اصرار کے مشاعرہ میں نہ آئے۔ سوا اپنے خریدار کی بے التفاتی سے شاید ایسی کھسیانی نہیں ہوتی جیسا کہ شاعر ان لوگوں کی بے التفاتی سے جن کو وہ سچ مچ اپنے شعر کا قدردان سمجھتا ہے۔ اسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدہ کی فخریہ تمہید لکھی گئی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے منھ میاں مٹھو بنتے ہیں کیونکہ اس زمانہ کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جس طرح آجکل تجارت کی گرم بازاری اشتہارات کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح شاعری بھی منوانے سے مانی جاتی ہے۔ لیکن جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعۃً اپنی غلطی پر متنبہ ہوا۔ لہذا قصیدہ کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا۔ تاکہ فخر کے لئے ایک وجہ پیدا ہو جائے ۱۲ +

گوش معنی شنو ہوا بیکار   مرغ کیوں نعرہ زن ہے بستاں میں

وہ گیا جس سے بزم روشن تھی   شمع جلتی ہے کیوں شبستاں میں

نہ رہا جس سے تھا فروغ نظر   سرمہ بنتا ہے کیوں صفاہاں میں

ماہ کامل میں آ گئی ظلمت

آب حیواں پہ چھا گئی ظلمت

ہند میں نام پائے گا اب کون   سکہ اپنا بٹھائے گا اب کون

ہم نے جانی ہے اس سے قدر سلف   اُن پر ایمان لائے گا اب کون

اُس نے سب کو بھلا دیا دل سے   اُس کو دل سے بھلائیگا اب کون

تھی کسی کی نہ جس میں گنجائش   وہ جگہ دل میں پائیگا اب کون

اُس سے ملنے کو یاں ہم آئے تھے   جا کے دِلّی سے آئیگا اب کون

مر گیا قدر دانِ فہم سخن   شعر ہم کو سنائیگا اب کون

مر گیا تشنۂ مذاق کلام   ہم کو گھر سے بلائیگا اب کون

تھا بساطِ سخن میں شاطر ایک   ہم کو چالیں بتائیگا اب کون

شعر میں ناتمام ہے حالی   غزل اُس کی بنائیگا اب کون

کم لنا فیہ من بکی وعویل

وعتب مع الزمان طویل

کیا ہے جس میں وہ مرد کار نہ تھا　　اک زمانہ کہ ساز گار نہ تھا

شاعری کا کیا حق اُس نے ادا　　پر کوئی اُس کا حق گذار نہ تھا

بے صلہ مدح و شعر بے تحسین　　سخن اس کا کسی پہ بار نہ تھا

نذر سائل بھی جان تک لیکن　　درخور ہمت اقتدار نہ تھا

ملک و دولت سے بہرہ ور نہ ہوا　　جان دینے پہ اختیار نہ تھا

خاکساروں سے خاکساری تھی　　سربلندوں سے انکسار نہ تھا

لب پہ احباب سے بھی تھا نہ گلا　　دل میں اعدا سے بھی غبار نہ تھا

بے ریائی تھی زہد کے بدلے　　زہد اُس کا اگر شعار نہ تھا

ایسے پیدا کہاں ہیں مست خراب　　ہم نے مانا کہ ہوشیار نہ تھا

مظہر شان حسن فطرت تھا

معنی لفظ آدمیت تھا

کچھ نہیں فرق باغ و زنداں میں　　آج بلبل نہیں گلستاں میں

شہر سارا بنا ہے بیت حزن　　ایک یوسف نہیں جو کنعاں میں

ملک یکسر ہوا ہے بے آئیں　　اک فلاطوں نہیں جو یوناں میں

ختم تھی اک زبان پہ شیرینی　　ڈھونڈھتے کیا ہو سبز باں میں

حصر تھی اک بیان میں رنگینی　　کیا دھرا ہے عقیق و مرجاں میں

لب جادو بیاں ہوا خاموش　　گوش گل وا ہے کیوں گلستاں میں

تھی ہر اک بات نیشتر جسکی　　اُس کی چُپ سے جگر فگار ہے آج

دل میں مُدت سے تھی خلش جسکی　　وہی برچھی جگر کے پار ہے آج

دلِ مُضطر کو کون دے تسکین　　ماتمِ یارِ غمگسار ہے آج

تلخیٔ غم کہی نہیں جاتی　　جانِ شیریں بھی ناگوار ہے آج

کس کو لاتے ہیں بہرِ دفن کہ قبر　　ہمہ تن چشمِ انتظار ہے آج

غم سے پھرتا نہیں دلِ ناشاد

کس سے خالی ہوا جہان آباد

نقدِ معنی کا گنجداں نہ رہا　　خوانِ مضموں کا میزباں نہ رہا

ساتھ اس کے گئی بہارِ سخن　　اب کچھ اندیشۂ خزاں نہ رہا

ہوا اک ایک کارواں سالار　　کوئی سالارِ کارواں نہ رہا

رونقِ حسن تھا بیان اس کا　　گرمِ بازارِ گل رخاں نہ رہا

عشق کا نام اُس سے روشن تھا　　قیس فرہاد کا نشاں نہ رہا

ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں　　گل و بلبل کا ترجماں نہ رہا

اہلِ ہند اب کریں گے کس پہ ناز　　رشکِ شیراز و اصفہاں نہ رہا

زندہ کیونکر رہے گا نامِ ملوک　　بادشاہوں کا مدح خواں نہ رہا

کوئی ویسا نظر نہیں آتا　　وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا

اُٹھ گیا تھا جو مایہ دارِ سخن　　کس کو ٹھہرائیں اب مدارِ سخن

غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسمان سے کیا نسبت

نثرِ حُسن و جمال کی صُورت — نظمِ غنج و دلال کی صُورت
تہنیّت اِک نشاط کی تصویر — تعزیت اِک ملال کی صُورت
قال اِس کا وہ آئینہ جس میں — نظر آتی تھی حال کی صُورت
اُس کی توجیہ سے پکڑتی تھی — شکل امکان محال کی صُورت
اِس کی تاویل سے بدلتی تھی — رنگ ہجراں وصال کی صُورت
لطف آغاز سے دکھاتا تھا — سخن اُس کا مآل کی صُورت
چشمِ دوراں سے آج چھپتی ہے — الوری و کمال کی صُورت
لوحِ امکاں سے آج مٹتی ہے — علم و فضل و کمال کی صُورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے — غالبِ بے مثال کی صُورت

اب نہ دُنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈے نہ پائیں گے یہ لوگ

شہر میں جو ہے سوگوار ہے آج — اپنا بیگانہ اشکبار ہے آج
نازشِ خلق کا محل نہ رہا — رحلتِ فخرِ روزگار ہے آج
تھا زمانے میں ایک رنگین طبع — رُخصتِ موسمِ بہار ہے آج
بارِ احباب جو اُٹھاتا تھا — دوشِ احباب پر سوار ہے آج

شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج — رند اور مرجع کرام و ثقات

لاکھ مضمون اور اسکا ایک ٹھٹھول — سو تکلف اور اُسکی سیدھی بات

دل میں چبھتا تھا وہ اگر بمثل — دن کو کہتا تھا دن اور رات کو رات

ہوگیا نقش دل پہ جو لکھا — قلم اسکا تھا اور اس کی دوات

تھیں تو دلّی میں اسکی باتیں تھیں — لے چلیں اب وطن کو کیا سوغات

اُس کے مرنے سے مرگئی دلّی — خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات

یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم — یاں اگر ذات تھی تو اسکی ذات

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا — شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

دل کو باتیں جب اسکی یاد آئیں — کس کی باتوں سے دل کو بہلائیں

کس کو جاکر سنائیں شعر و غزل — کس سے داد سخنوری پائیں

مرثیہ اس کا لکھتے ہیں احباب — کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں

پست مضمون ہے نوحۂ استاد — کس طرح آسمان پہ پہنچائیں

لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں — اہلِ میت جنازہ ٹھہرائیں

لائینگے پھر کہاں سے غالب کو — سوئے مدفن ابھی نہ لیجائیں

[illegible]لوگوں پہ کیوں دیں ترجیح — اہلِ انصاف غور فرمائیں

[illegible] صائب و اسیر و کلیم — لوگ جو چاہیں اُن کو ٹھہرائیں

[illegible] سب کا کلام دیکھا ہے — ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں

نہ کروں تشنگی میں تر لب خشک | چشمۂ خضر کا ہو گر پانی
یوں نہ اِک مشت خاک کے بدلے | گر ملے خاتم سلیمانی

بحرِ ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

جس سے دُنیا نے آشنائی کی | اس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ پہ بھولے کوئی عبث اے عمر | تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ | ہاں قسم تجکو آشنائی کی
یہ وہ بے مہر ہے کہ ہے اسکی | صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حظ وصل سے محروم | جس کو طاقت نہ ہو جدائی کی
ہے یہاں حفظِ وضع سے مایوس | جس کو عادت نہ ہو گدائی کی
خندۂ گل سے بے بقا تر ہے | شان ہو جس میں دلربائی کی
جنس کاسد سے ناروا تر ہے | خوبیاں جس میں ہوں خدائی کی
بات بگڑی رہی سہی افسوس | آج خاقانی و سنائی کی

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خاں غالب مرد

بلبل ہند مر گیا ہیہات | جسکی تھی بات بات میں اِک بات
نکتہ داں نکتہ سنج نکتہ شناس | پاک دل پاک ذات پاک صفات

زمین پہ ٹھیرا ہے ماوائے شاہ عرش نشین | رہی نہ اب کوئی فوقیت آسماں کے لئے
اسی سے ہوتا ہے ظاہر عیار استعداد | محک ہے حُبِ نبیؐ دل کے امتحاں کے لئے
اگر نصیب ہو یثرب میں جا کے شربتِ مرگ | پیوں نہ آبِ بقا عمرِ جاوداں کے لئے
اگر بقیع میں گز بھر زمین میسر آئے | کروں نہ طولِ امل روضۂ جناں کے لئے
سمایا اس کا جو نقشِ قدم تصور میں | ہجومِ شوق میں پوچھے کہاں کہاں کے لئے
حریف لذت ہمہ نہیں سخن حالی | کہاں سے لایئے اعجاز اس بیاں کے لئے

نبیؐ کا نام ہو وردِ زباں۔ رہے جبتک
سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کیلئے

۲۔ ترکیب بند۔ مرثیہ ۱۲۸۵ھ ہجری

مرثیہ جناب مرزا اسد اللہ خاں مرحوم دہلوی متخلص بہ غالب۔

کیا کہوں حالِ دردِ پنہانی | وقت کوتاہ و قِصّہ طولانی
عیشِ دُنیا سے ہو گیا دل سرد | دیکھ کر رنگ عالمِ فانی
کچھ نہیں جز طلسمِ خواب و خیال | گوشۂ فقر و بزمِ سُلطانی
ہے سراسر فریب و وہم و گمان | تاجِ فغفور و تختِ خاقانی
بے حقیقت ہے شکلِ موجِ سراب | جامِ جمشید راحِ ریحانی
لفظِ مہمل ہے نطقِ اعرابی | حرفِ باطل ہے عقلِ یونانی
ایک دھوکا ہے لحنِ داؤدی | اک تماشا ہے حُسنِ کنعانی

وہ گونہ گونہ مدارا وہ بات بات میں مہر — کشایش گرہ کیں دشمناں کے لئے

گر افتخار مقابل میں اہل نخوت کے — گر انکسار مدارات مہماں کے لئے

کہیں ہلاک میں تاخیر قوم سرکش کے — کہیں نماز میں تعجیل ناتواں کے لئے

صفائے قلب حسودانِ کینہ خواہ کیساتھ — دُعائے خیر بد اندیش و بدگماں کے لئے

کہیں مقدمۃ الجیش انبیا و رُسل — کہیں وہ خاتمۃ الباب داستاں کے لئے

مدینہ مرجع و ماوائے اہلِ مکہ ہوا — مکیں سے رُتبہ یہ حاصل ہوا مکاں کے لئے

اسی شرف کے طلبگار تھے کلیم و مسیح — نوید اُمت پیغمبر زماں کے لئے

بس اب نہ غول کا کھٹکا نہ راہزن کا خطر — ہوا وہ قافلہ سالار کارواں کے لئے

شفیع خلق سراسر خدا کی رحمت ہے — بشارت اُمت عاصی و ناتواں کے لئے

شفاعتِ نبوی ہے وہ برق عصیاں سوز — کہ حکم خس ہے جہان کفر و جہاں کے لئے

خدا کی ذاتِ کریم اور نبیؐ کا خلقِ عظیم — گنہ کریں تو کریں رخصت انس و جاں کے لئے

اسی کا دین ہے کہ ہے گلشنِ ہمیشہ بہار — وگرنہ ہر گل و گلزار ہے خزاں کے لئے

عبور لجۂ عصیاں سے کس طرح ہو ۔ اگر — وہ ناخدا نہ ہو اِس بحرِ بیکراں کے لئے

مریض حرص ہو پائے کب شفا ۔ جبتک — وہ چارہ گر نہ ہو اِس وجع جانستاں کے لئے

نہ حرف و صوت میں وسعت نہ کام و لب میں سکت — حقیقت شبِ معراج کے بیاں کے لئے

ارادہ عرش تک اِک آن میں پہونچنے کا — کیا تھا عزم اولوالعزم نے کہاں کے لئے

کرم کا دیکھئے دامن کہاں تلک ہو فراخ — ہو میزبان خدا جب کہ مہماں کے لئے

قصیدے ترکیب بند مسدس اور چند قطعے مختلف مضامین پر بہ ترتیب اوقات تحریر

۱۔ قصیدۂ[1] نعتیہ

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کیلئے — سخن زبان کیلئے اور زبان دہاں کے لئے
وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں — عداوت اُس کی عذابِ الیم جاں کے لئے
وہ شاہ جس کا محب امن و عافیت میں مدام — محبت اُس کی حصارِ حصینِ اماں کے لئے
وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ جہاں معدوم — رہا نہ تفرقہ روز و شب زماں کے لئے
وہ پھول جس سے ہوئی سعی باغبان مشکور — رہی نہ آمد و رفتِ چمن خزاں کے لئے
ہلالِ مکہ کا ماہِ دو ہفتہ یثرب کا — فروغ قوم کے۔ اور شمع دودماں کے لئے
گھر اِس کا مورد قرآن مہبط جبرئیل — دَر اُس کا کعبۂ مقصود انس و جاں کے لئے
سپہر گرم طواف اُس کی بارگاہ کے گرد — زمین سر بسجود اُس کے آستاں کے لئے
وہ لحظہ لحظہ تفقد۔ وہ دمبدم الطاف — رضائے خاطرِ یارانِ جانفشاں کے لئے

---

[1] یہ قصیدہ ۱۲۸۱ یا ۱۲۸۲ہجری کا لکھا ہے۔ اس سے پہلے نعت میں کبھی کچھ نہیں لکھا گیا۔ اس کو اپنی قدیم شاعری کا نمونہ سمجھ کر بدستور سابق رہنے دیا ہے۔ کہیں کچھ تصرف نہیں کیا گیا ۱۲ +

رباعیات قدیم

ہو عیب کی خو یا کہ ہنر کی عادت　　مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا اس گلی میں جانا　　عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

مرنے پہ وہ اوروں سب رہینگے　　جب یاد کرینگے مجھے تب روئینگے
الفت پہ وفا پہ جاں نثاری پہ مری　　آگے نہیں روتے تھے تو اب روئینگے

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گذرے　　اک خستہ جگر کی رات کیونکر گذرے
گذری نہ ہو جس پر یہ گھڑیاں اک گھڑی　　یہ چار پہر کی رات کیونکر گذرے

یاور کس کی یہاں ورد زباں اپنا ہے　　خالی نہ ہو جو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ لیجئے کہ ہے نام اس کا　　کس طرح نہ کیجئے کہ کام اپنا ہے

کل پاس تھا قول نبی کو انشاء اللہ　　تنہا شہ پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
ہیں اہل اطاعت یزید گمراہ !!!　　لا حول ولا قوۃ الا باللہ

جو کہتا تھا دل شہ فیجاہ سے مل　　گمراہ نہ ہو جو ہے حق آگاہ سے مل
سرگشتگی کیسے ضلالت کب تک؟　　اللہ سے ملنا ہے تو چل شاہ سے مل

گو کفر میں **فرعون** کا ثانی نکلا　　اک شام میں بیداد کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھا بحر غفلت کی یزید　　واں **نیل** سے بھی زیادہ پانی نکلا

بس مجکو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں — اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بھرنا

آہیں پیری میں شیخ بھرتے نہیں یوں — دل دیتے ہیں پر جی سے گذرتے نہیں یوں

سنتے تم تو ہر اک قید سے آزاد رہا — جو جیتے ہیں اس طرح وہ مرتے نہیں یوں

واعظوں کی سخت کلامی

اک گبر نے پوچھے جو اصول اسلام — واعظ نے درشتی سے کیا اس سے کلام

بولا کہ حضور مقتدا ہوں جس کے — ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب وقار الامرا اقبال الدولہ بہادر کی شان میں

توفیق نے اُس کی چھوڑ دی ہمراہی[1] — اقبال پہ جب سے ختم پائی جاہی

حالی لے جائے کون بازی ان سے — ہے جن کی رگوں میں خون آصفجاہی

---

[1] یہ رباعی سنہ ۱۳۱۱ھ میں جبکہ راقم حیدرآباد میں مقیم تھا۔ جب نواب وقار الملک بمبئی سے پولو میں بازی جیت کر آئے تھے لکھی تھی۔ مگر ان کی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خون آصف جاہی میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں اور اقبال کے لفظ میں ان کے خطاب کی طرف اشارہ ہے ۱۲

تسلیم نے دی کچھ اس طرح داد سخن — مجکو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا

احسان بے منت

احسان کے ہے گر صلہ کی خواہش تم کو — تو اس سے یہ بہتر ہے احسان نہ کرو
کرتے ہو گر احسان تو کر دو اسے عام — اتنا کہ جہان میں کوئی ممنون نہ ہو

قانون بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

قانون ہیں بیشتر یقیناً بے کار — حاشا کہ ہوا نپہ نظم عالم کا مدار
[illegible] ہیں اُن کو نہیں حاجت انکی — اور بد نہیں بنتے نیک اِن سے زنہار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق [illegible] کہیں — بجز کے گی مدافعت سے اور یہ آتش [illegible]
گر چاہتے ہو کہ چپ رہیں اہلِ خلاف — جز ترک جواب کوئی تدبیر نہیں ہے

ٹیکس

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل — اِک وقت سے اپنے تو نہیں ٹلتی اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھکر کہ حضور — ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں — اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں

حاشیہ متعلق صفحہ ۱۴۷ — ؎ مولوی سلیم الدین مرحوم نارنولی مقیم جیپور متخلص بہ تسلیم نے قطعے اُردو اور فارسی کے اِتم کے کلام کی ستائش میں اس وقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکر شعر کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اِن قطعوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی۔

اسراف

مسرف نہ بس اپنے حق میں کانٹے بوئیں — نعمت نہ خدا کی رائیگاں یوں کھوئیں
گر بخل پہ لوگ اُن کے ہنسیں بہتر ہے — اس سے کہ فضولیوں پہ اُن کی روئیں

ردِ سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ صواب — زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار اے دون ہمت — سائل کے سوال سے ترا تلخ جواب

کھانا بغیر بھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ہمیں — جو دیکھے ہیں چکھے ہیں دل سے بھائیں ہمیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک — جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال — مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی — اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوف زوال

اچھوں کو بُرا سُننے میں بھی مزہ آتا ہے

رکھتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پروا — جو کر کے بھلا خلق سے سنتے ہیں بُرا
ان گالیوں کا ہے جن کو چسکا حالی — آتا نہیں اُن کو کچھ دُعاؤں میں مزا

شکریۂ مدح کلام راقم

جوش خم بادہ جب خم خانہ میں ہوا — پھر ولولہ پیدا دل حالی میں ہوا

حاشیہ ۱۴۸ پر ملاحظہ کیجئے ۱۲

ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

بڑھاپے میں موت کے لئے تیار رہنا چاہیئے

کی طاعت نفس میں بہت عمر بسر انجام کی رکھی نہ جوانی میں خبر
کیفیت سب اُٹھا چکے اب حالی مجلس کر دو برخاست ہوا وقت سحر

دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈریئے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
جس طرح کہ سونے کی کسوٹی ہے محک ہے جوہر انسان کی کسوٹی سونا

حد سے زیادہ غصہ قابل عفو ہے

غصہ پہ کسی کے غصہ آتا ہے وہیں جب تک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قریں
آپے سے جب اپنے ہوگیا وہ باہر پھر کس سے ہوں آزردہ کہ تو تو ہی نہیں

سفہا کی مدح وذم

کرتے ہیں سفیہ اگر مذمت تیری کر شکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری
پر مدح کریں جو گر بہ نصیب اعدا رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرض پیری لاعلاج ہے

اب ضعف کے پنجہ سے نکلنا معلوم پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کھینچی ہے وہ چیز جس کا پانا ہے محال آتا ہے وہ وقت جس کا ٹلنا معلوم

حسنِ ظن اصل حال نہیں کھُلنے دیتا

صُوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں
نیکی میں شک اس کی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکہ رائج ہیں بھی شاید کچھ کھوٹ
پر اِس کو کسی نے یاں تپایا ہی نہیں

دینداروں کی بُرائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبون جو حالِ اہلِ اسلام
اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنی بیمار
اور مُفت میں ہو گیا مسیحا بدنام

فکرِ عقبیٰ

منزل ہے بعید۔ باندھ لو زادِ سفر
مواج ہے بحر۔ رکھو کشتی کی خبر
گاہک چوکس ہے۔ بیچلو مال کھرا
بنکا کردو جھ ہے کٹھن راہگذر

اِنسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ اِنسان
ممکن ہے۔ بدی کا نہ رہے اِس میں نشان
ممکن تو ہے سب کچھ پہ حقیقت یہ ہے
اِنسان ہے اب تک وہی قرن الشیطان

سلاطین کا عشق

ہرچند بُرا ہے عشق کا سب کے مآل
پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً بدفال
سُلطان ہے اگر ظلِ الٰہی۔ تو عشق
ہے ظلِ الٰہی کے لئے وقتِ زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ
پر تجھ سے۔ بگڑنے کا نہیں ہے یارا

مصروف جو یوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ — خیر اپنی سمجھے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ منھ سے یا نہ بولیں حضرت — معلوم ہے ہم کو جتنے پانی میں ہیں آپ

ملحدوں کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکر قرآن و خبر — کیا لیں گے یہ اہل قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں ورنہ — کتا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

دہری کا الزام گور پرست پر

اِک گور پرست نے یہ دہری سے کہا — ہو گا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر — اِس سے بھی گیا کہ جس کے لاکھوں ہوں خدا

دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق؟ سماعت نہ ہو جب کانوں میں — دانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غربت میں ہے اجنبی مسافر جس طرح — دانا کا بھی یہی حال ہے نادانوں میں

رفارم کی حد

دھونے کی ہے اے رفارمر جا باقی — کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبا باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ — دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سُن کر ناک چڑھانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں ناداں فی الفور — داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہوتے ہیں بہت وہ مدح سُن کر ناخوش — مقصود یہ ہے کہ ہو ستایش کچھ اور

تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے　　اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد　　دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اول کوشش اور بعد دعا

کوشش میں ہے شرط ابتدا انساں سے　　پھر چاہیئے مانگنی مدد یزداں سے
جبتک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا　　پائی نہ نجات نوح نے طوفاں سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انساں کیلئے　　بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح　　مردوں کی طرح جئے تو کیا خاک جئے

جھوٹی نمائش

ہیں جھوٹ کے بیچ میں سب بننے والے　　بننے والوں سے کم ہیں ہونے والے
گھڑیاں رہتی ہیں جن جیبوں میں مدام　　اکثر ہیں وہی وقت کے کھونے والے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنر ہوں ذات میں جسکی ہزار　　بدظن نہ ہو۔ عیب اس میں اگر ہوں دوچار
طاؤس کے پائے زشت پر کر کے نظر　　کر حسن و جمال کا نہ اس کے انکار

سکوت درویش جاہل

سلہ یعنی جب تک کہ کشتی نہ بنائی ۱۲ ح

تھی باغ کی یادگار اِک بلبلِ زار　　سو اُس کی بھی گل سے نہیں آتی آواز

ایضاً

غالبؔ[1] ہے نہ شیفتہ نہ نیّر باقی　　وحشتؔ ہے نہ سالکؔ ہے نہ انورؔ باقی

حالیؔ اب اِسی کو بزمِ یاراں سمجھو　　یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں یاں ہر اک اِن میں　　محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرمن میں

موسیٰؑ کو ملی نہ قوم کی چوپانی　　جب تک نہ چرائیں بکریاں مدین میں

گدائی کی ترغیب

اِک مردِ توانا کو جو سائل پایا　　کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا

بولا کہ ہے اِس کا ان کی گردن پہ وبال　　دے دے کے جنہوں نے مانگنا سکھلایا

تکفیرِ اہلِ اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین　　سُنتے سُنتے یہ ہوگیا ہم کو یقین

مومن سے ضرور ہوگا یہ مرقد میں سوال　　تکفیر بھی کی فقہا نے کہ نہیں!

ترکِ عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہم سے سوگواری سُن لو　　کچھ چشمِ جہاں میں اپنی خواری سُن لو

افسانۂ قیس و کوہکن یاد نہیں　　چاہو تو کتھا ہم سے ہماری سُن لو

---

[1] یہ اُن شعرائے دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختصاص رہا ہے عام اس سے کہ وہ نامور ہوں یا نہ ہوں ۱۲ (حالی)

عفو باوجود قدرت انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بارِ خدا
مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے
جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلہ

سختی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہاں تلک ہو دیجے تسکین
زہر اُگلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے
اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

ہمت

تیمور نے اک مورچہ زیرِ دیوار
دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لیکر سو بار
آخر سرِ بام لے کے پہنچا تو کہا
مشکل نہیں کوئی پیشِ ہمت دشوار

کم ہمتی

جبریہ و قدریہ کی بحث و تکرار
دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پہ مدار
جو کم ہمت تھے ہوگئے وہ مجبور
جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجام ہے کفر کی طغیانی کا
ثمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذت سے نداموں کی جانا ہم نے
دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تأسف بر وفات نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم نیّر تخلص دہلوی

قمری ہے نہ طاؤس نہ کبکِ طناز
آتے ہی خزاں کے کر گئے سب پرواز

دیکھا ہے سدا سلامتی میں تیری — قوموں کو ذلیل۔ خاندانوں کو تباہ

سبب زوال سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم — سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت — یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

دین و دُنیا کا رشتہ

دُنیا کو دیئے دین نے اسرار و حکم — دُنیا نے مگر دین کی تھامی جس دم
گر دین کی ممنون بہت ہے دُنیا — دُنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم

آزادگانِ راستباز کی تکفیر

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب گناہ — کافر کہا واعظ نے انہیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت — لاتا ہے خدا کو اپنے دعویٰ پہ گواہ

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پہ گر نظم جہاں کا ہے مدار — اُس قوم کا چیتنا ہے حالی دشوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پروا — ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کچھ عار

---

[۱] یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جنکا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیخ اکبرؒ کو بعضوں نے صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زندیق اور بات کو وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندیق خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا بس جس شخص میں کوئی صریح اخلاقی برائی یا عیب موجود نہ ہو اُس کی تکفیر یا تذلیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنے دعویٰ پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۲

توقع بیجا

ہیں یار رفیق - پر مصیبت میں نہیں   ساتھی ہیں عزیز لیک ذلت میں نہیں
اُس بات کی انسان سے توقع ہی عبث   جو نوع بشر کی خود جبلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جس قدر کمی اور بیشی   اتنی ہی مغائرت ہی یہاں اور خویشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مآل   ضدیں ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے   ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوں میں   کہتا ہوں کہ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

ایضاً

اے عیش و طرب تو نے جہاں راج کیا   سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا
ویران کیا تو نے نینوا اور بابل   بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

معلوم ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں   بدگوئی خلق ہے ہر ایک صحبت میں
اوروں کی برائی ہی پہ ہے فخر وہاں   خوبی کوئی باقی نہیں جس اُمت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ   پیروں کو خرف اور جوانوں کو تباہ

عاری ہیں لباس تربیت سے ورنہ ہیں طوسی و رازی انہیں شکلوں میں نہاں

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال غائب ہوا تو جہاں سے وہاں آیا زوال
اُن پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال

ایضاً

اے علم کلید گنج شادی تو ہے سرچشمۂ نعما و ایادی تو ہے
آسایش دو جہاں ہے سایہ میں ترے دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

ایضاً

ہے تجھ سے نہال جیسی مغرب کی زمیں مشرق کو وہ فیض تجھ سے اے علم نہیں
شاید اے علم ماہِ نخشب کی طرح رہتی ہیں شعاعیں تری محدود وہیں

خاندانی عزت

بیٹا نکلے نہ جب تلک ذلت ہے عزت نہیں اسکو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھات کا نسب بھی عالی پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا مجھ سے ہی عزت ہے جہان فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشان
عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیان میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہان

آثار زوال

آبا کو زمین و ملک پر اطمینان
اولاد کو سستی پہ قناعت کا گماں
بچے آوارہ اور بے کار جوان
ہیں ایسے گھرانے کوئی دن کے مہماں

شانِ ادبار

صحرا میں جو پایا اک چٹیل میدان
برسات میں سبزہ کا نہ تھا جس پہ نشان
مایوس تھے جس کے جوتنے سے دہقان
یاد آئی ہمیں قوم کے ادبار کی شان

نفاق کی علامت

ہر بزم میں آفرین کے لائق ہونا
شیریں سخنی سے شہد فائق ہونا
ممکن نہیں۔ جب تک کہ نہ ہو دل میں نفاق
آسان نہیں مقبول خلائق ہونا

مسلمانوں کی بے مہری

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخوان پکا
ہوتا نہیں مومن کا ایمان پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے
سنتے ہیں کسی کو جب مسلمان پکا

مکر و ریا

حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا
خطرہ انہیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیڑیوں سے واجب ہے حذر
بھیڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہر قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشان
پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسان

عابد نے کہا یہ ہاتھ اُٹھا کر سوئے چرخ
محتاج کر اِس کو جلد اے بار خدا

کام کی جلدی

یاں رہنے کی مہلت کوئی کب پاتا ہے
آتا ہے اگر آج۔ تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام اُن کو جلدی بھگتاؤ
طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض

ہے نفس میں انسان کے جبلی یہ مرض
ہر شے پہ ہوتا ہے طلبگار عوض
جو خاص خدا کے لئے تھے کام کئے
دیکھا تو نہاں اُن میں بھی تھی کوئی غرض

انقلاب روزگار

بس بس کے ہزاروں گھر اُجڑ جاتے ہیں
گڑ گڑ کے علم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اِس کی ہے نوبت تو کل اِس کی باری
بن بن کے یہ نہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

تقاضائے سن

حالی کو جو کل فسردہ خاطر پایا
پوچھا باعث تو ہنس کے یہ فرمایا
رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی اُمید
وہ وقت گئے اب اور موسم آیا

جس کو زندگانی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کرسکتا

دُنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو
روداد جہاں کو اِک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا
ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ، زباں سے کہتے ہیں وہ کم ہوتے نہیں ساتھ جمع، دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسنِ گفتار بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

شرطِ قبول

ممکن ہے کہ جوہر کی نہ ہو قدر کہیں پر قدر کہیں بغیر جوہر کے نہیں
عنبر کو نہ لیں مفت یہ امکان ہے مگر عنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی مہرگیں

طالب کو سوچ سمجھ کر پیر بنانا چاہیئے

ہوں یا نہ ہوں پیر اہلِ عرفان و یقین پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہو ناداں کہیں
گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

ہیں جہل میں سب عالم و جاہل ہمسر آتا نہیں فرق اس کے سوا ان میں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنسکر
باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب ہو جائینگے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

مسرف کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہے

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا کر میرے لئے حق سے فراغت کی دعا

کی عرض کسی نے کیئے اب کیا ہے صلاح	فرمایا کہ بھائی جان ؔ جی ہے تو جہان"

عشق

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا	یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے۔ پہ اتنی ہے خبر	اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھہرائیو بابا ے فرزند	اک آدھ ادا اُن کی اگر ہو نہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں	ہوں اس میں اگر گلے سڑے دانے چند

دوستوں سے بیجا توقع

تازیست وہ محو نقش موہوم رہے	جو طالب دوستان معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے	صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جوانو مفتون	گردن پہ نہ لو عقل خدا داد کا خون
خود عہد شباب اک جنون ہے اب تم	کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اور جنون

غرور سب عیبوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور	پر عیب سے بچئے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پہ خبردار رہو	گھٹنے سے کہیں انکے نہ بڑھ جائے غرور

نعت

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف　　یثرب کو ملا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پر　　آبا کو بھی ہے تیری ابوت سے شرف

صلح کل

ہنا۔ وہ سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں　　شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا　　وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

ترک شعر عاشقانہ

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی　　بزم شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہم کو چھوڑا　　ہم نے بھی تیری رام کہانی چھوڑی

پیران زندہ دل

خوش رہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح　　ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل انکے ہیں ظرف انکے جو کہ ہیں تیر　　ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت　　ہوں نیکیوں پر اپنے نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہے گر ہو نہ خلوص　　نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

امتحان کا وقت

زاہد کہتا تھا جان ہے دین پر قربان　　پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان

ممکن ہے کہ سکھ میں بھول جائیں اطفال   لیکن انہیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

توحید

مٹی سے ہوا سے۔ آتش و آب سے یاں   کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پر تیرے خزانے ہیں ازل سے ابتک   گنجینۂ غیب میں اُسی طرح نہاں[1]

ایضاً

ہستی سے ہے تیری رنگ و بو سب کے لئے   طاعت میں ہے تیری آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور   سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے

ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اِس سے زیاد   دُنیا میں نہیں ہے ایک دل جو کہ ہو شاد
پر۔ جو کہ ہیں تجھ سے لو لگائے بیٹھے   رہتے ہیں ہر ایک رنج و غم سے آزاد

نعت

زہاد کو تو نے محوِ تمجید کیا   عشاق کو مستِ لذتِ دید کیا
طاعت میں سہا نہ حق کے ساجھی کوئی   توحید کو تو نے آکے توحید کیا

ایضاً

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا   اور امیوں کو خیر الامم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تتار   بچھڑے ہوئے گلہ کو بہم تو نے کیا

---

[1] یعنی ابتک جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہ مقابلہ اس کے جو خزانہ غیب میں مخفی ہے کان لم یکن ہے ۱۲

رباعیات

توحید

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا　　حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجکو۔ جانا ہے ضرور　　بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم میں جلوا پایا تیرا　　آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دھر سے تعبیر تجھے　　انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں ہے جب جہاز چکر کھاتا　　جب قافلہ وادی میں ہے سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا　　واں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدرت کے ظہور　　منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھ کو ضرور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ　　خورشید کا شش جہت میں پھیلا جب نور

ایضاً

جب مایوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے　　دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے

عشق کو تاب انتظار نہ تھی　　غرفہ اک دل میں وا کیا تو نے
حرم آباد اور دیر خراب　　جو کیا سب بجا کیا تو نے
سخت افسردہ طبع تھے احباب　　ہم کو جادو نوا کیا تو نے
پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یارب　　کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے

حالی اُٹھا ہلا کے محفل کو
آخر اپنا کہا کیا تو نے

دل کو درد آشنا کیا تو نے ق درد دل کو دوا کیا تو نے

طبع انساں کو دی سرشت وفا خاک کو کیمیا کیا تو نے

وصل جاناں محال ٹھہرایا قتل عاشق روا کیا تو نے

تھا نہ جز غم بساط عاشق میں غم کو راحت فزا کیا تو نے

جان تھی اک وبال فرقت میں شوق کو جاں گزا کیا تو نے

تھی محبت میں ننگ منتِ غیر جذب دل کو رسا کیا تو نے

راہ زاہد کو جب کہیں نہ ملی قطعہ در میخانہ وا کیا تو نے

قطع ہوتے ہی جب لگا پیوند ۲ غیر کو آشنا کیا تو نے

تھی جہاں کارواں کو دینی راہ عشق کو رہنما کیا تو نے

ناؤ بھر کر جہاں ڈبونی تھی عقل کو ناخدا کیا تو نے

بڑھ گئی جب پدر[۱] کو مہر پسر اس کو اس سے جدا کیا تو نے

جب ہوا ملک و مال رہزنِ ہوش بادشہ کو گدا کیا تو نے

جب ملی کام جاں کو لذتِ درد درد کو بے دوا کیا تو نے

جب دیا راہرو کو ذوق طلب سعی کو نارسا کیا تو نے

پردۂ چشم تھے حجاب بہت حسن کو خود نما کیا تو نے

۱؎ اس شعر میں پدر و پسر کا اشارہ حضرت یعقوبؑ و یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادہم رحمۃ ہیں ۱۲ +

کر دیا خوگرِ جفا تو نے — خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
دور پہونچی تھی اپنی آزادی — پر خدا جانے کیا کیا تو نے
کیوں نہ آئیں گے باز سُن اے ہمدم — بس سنا میں نے اور کہا تو نے
گوش و لب ساتھ لائے تھے ہم آج — نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
صبر کا ہے بہت بُرا انجام — ہم کو سمجھا ہے دل میں کیا تو نے
ابتدائے وفا ہے سر دینا — میری دیکھی نہ انتہا تو نے
دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل — اور کھویا رہا سہا تو نے
ایک عالم کو خوش کیا اے رشک — ہم کو کس سے خفا کیا تو نے

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
حالی اپنا کہا سنا تو نے

کر کے بیمار دی دوا تو نے — جان سے پہلے دل لیا تو نے
رہروِ تشنہ لب، نہ گھبرانا — اب لیا چشمۂ بقا تو نے
شیخ جب دل ہی دیر میں نہ لگا — ترکِ مسجد سے کیا لیا تو نے
دور ہو اے دلِ مآل اندیش — کھو دیا عمر کا مزا تو نے
ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ — کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل و دیں کھو کے آئے تھے سوئے دیر — یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے
خوش ہے امیدِ خلد پہ حالی — کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

وضع[1] ہم تھی اپنی پارسائی کی | کی بھی اور کس سے آشنائی کی

کیوں بگڑ جاتے ہو اختلاط بہت | ہم کو طاقت نہیں جدائی کی

منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے | تم کو عادت ہے خود نمائی کی

لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں | صلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی

ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن | ہم سے باتیں کرو صفائی کی

دل رہا پائے بند الفتِ دام | تھی عبث آرزو رہائی کی

دل ہی پہلو میں ہو تو ہاں کس سے | رکھیے امید دل رُبائی کی

شہر دریا سے باغ صحرا سے | بو نہیں آتی آشنائی کی

نہ ملا کوئی غارتِ ایماں | رہ گئی شرم پارسائی کی

بخت ہمداستانِ شیدا[2] | تو نے آخر کو پارسائی کی

صحبت گاہ گاہی رشکی[3] | تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی

موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے | ساعت آ پہنچی اس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
انتہا ہے یہ بے حیائی کی

---

[1] یہ غزل بھی لاہور میں اُسی وقت لکھی گئی تھی جبکہ غزل سابق لکھی گئی تھی آخر کے اشعار میں ان کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے ۱۲

[2] شیدا سے مراد منشی کرم اللہ خان صاحب دہلوی ہیں کہ اس زمانہ میں کبھی کبھی فکر شعر کرتے تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۲

[3] رشکی آنریبل نواب محمد علی خان بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲

نہیں آتی کہیں یاں بوئے یوسف ؎ — مگر جو گھر ہے وہ بیت الحزن ہے

یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام — کہ بلبل ناشناسائے چمن ہے

نہ کچھ مجنوں کو ہے پروائے لیلیٰ — نہ کچھ شیریں کو دردِ کوہکن ہے

مجھے تنہا نہ سمجھیں اہلِ لاہور — تصور میں مرے اک انجمن ہے

مری خلوت میں ہے ہنگامۂ بزم — خموشی میں مری ذوقِ سخن ہے

بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا پھول — جہاں ہر گل بجائے خود چمن ہے

بتاؤں تم کو ہوں کس مصر کی بو! — جہاں غربت وطن پر خندہ زن ہے

عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی — مگر یادِ عزیزاں راہزن ہے

نہ لینے دے گا جنت میں بھی آرام — یہی گر جذبۂ مہرِ وطن ہے

گریں نظروں سے سب باتیں پرانی — مگر الفت کہ اک رسمِ کہن ہے

بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی! — یہ سب تم صاحبوں کا حسنِ ظن ہے

کیا ہے اُس نے گو کہتے ہیں سخن ترک
مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہے

؎ یہ غزل تقریباً ۱۸۷۴ء میں اس وقت لکھی گئی تھی۔ جبکہ اوّل ہی اوّل بتقریبِ ملازمت دلّی چھوڑ کر لاہور جانا پڑا تھا اُسوقت اوّل تو دلّی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا دوسرے لاہور میں کسی سے جان پہچان نہ تھی۔ وہاں پہنچتے ہی نہایت سخت وبا آئی اور وبائے ہیضہ کے بعد مدت تک چیچک اور بخار کا زور و شور رہا۔ آخرکار راقم بھی سخت بیمار ہو گیا اُس تنہائی اور سراسیمگی و غم و اندوہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے ۱۲

ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے — آخر کو ہم حوالۂ تقدیر کر چکے

افسون شب وصال کے واں کارگر نہیں — نالے شب فراق کے تاثیر کر چکے

اے دل اب آزمائش تقدیر کا ہے وقت — وہ امتحان برش شمشیر کر چکے

کہتے ہیں طبع دوست شکایت پسند ہے — ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے

بھولے ہے تصور مژگاں میں چند روز — دیکھا تو دل کو ہم ہدف تیر کر چکے

جان لب تک انتظار میں آتی ہے بار بار — مشاطہ جلد تر کہیں تقریر کر چکے

دل لیکے ایک پیرایہ فارغ ہوئے ہیں وہ — گویا کہ اک جہان کو تسخیر کر چکے

حالی! اب آؤ پیروی مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

نہ واں پرسش نہ یاں تاب سخن ہے — محبت ہے کہ دل میں موجزن ہے

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اس کی — وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات — مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے

عدو سے بات محفل میں نہ کرنی — جو سچ پوچھو تو جائے سوءِ ظن ہے

بہت دل میں ترے عاشق کو درکار — تری جو بات ہے وہ دل شکن ہے

دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد — نہ میں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے

کروں تجھ سے بیان کچھ درد غربت — مگر جوش سخن مہر دہن ہے

رہے لاہور میں آ کر سو چلنے — یہی دنیا ہے جو دار المحن ہے

قلق گر یہی ہے تو رازِ نہانی ۔ کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے

وفا شرطِ الفت ہے لیکن کہاں تک ۔ دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے

بہت حظ اٹھاتے ہیں دل کو گنوا کر ۔ تلف دیکھیے کیا ہوا چاہتا ہے

جسے رشک کہتے ہیں سمجھے تھے ہمدم ۔ سو وہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

بہت چین سے دن گذرتے ہیں حالی
کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

جس کو کہتے ہیں ملنا وہ شوخی کی ادا یاد رہے ۔ آج دل لے کے گا اگر کل نہ لیا یاد رہے

شوق پڑھتا ہے سبق آیا جاں ہوس کا اے شرح ذکام ۔ یہ سبق وہ ہے کہ جب تک کے پڑھو یاد رہے

ہم بھی آدابِ شریعت سے ہیں آگاہ مگر ۔ نہ ہو برباد میں جو رسم وہ کیا یاد رہے

یاد آؤ گے بہت لطف ہمیں کیجیے ۔ اس تجاہل کا ہے انجام برا یاد رہے

شیخ یاں شرمِ گنہ شوق مٹا دیتا ہے ۔ توبہ ان کی ہے جنہیں اپنی خطا یاد رہے

وادیٔ عشق میں موسیٰ کو ہو گر رخصتِ دید ۔ یاں نہ نعلین جو پھر کفش و عصا یاد رہے

خضر نے پالیا اگر دشتِ فنا میں رکھا ۔ بھول جائیں گے رہِ آبِ بقا یاد رہے

دل بری طرح لگا عشقِ بتاں سے اے شیخ ۔ دین بڑا پائیں اگر اب کے خدا یاد رہے

چارہ گر! کار باندازۂ تدبیر نہیں ۔ کیجیو ہمت اگر وقتِ دعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اس لطف کا پائیں گے مزا یاد رہے

حشر تک یاں پھر شکیبا چاہیئے — کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیئے

ہے تجلی بھی نقابِ روئے یار — اُس کو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیئے

غیر ممکن ہے نہ ہو تاثیرِ غم — حالِ دل پھر اس کو لکھا چاہیئے

ہے دل افگاروں کی دلداری ضرور — گر نہیں اُلفت مدارا چاہیئے

ہے کچھ اِک باقی خلش اُمید کی — یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیئے

دوستوں کی بھی نہ ہو پرواہ جسے — بے نیازی اُس کی دیکھا چاہیئے

بھا گئے ہیں آپ کے انداز و ناز — کیجیئے اغماض جتنا چاہیئے

شیخ ہے اُن کی نگہ جادو بھری — صحبتِ رنداں سے بچنا چاہیئے

لگ گئی چپ حالیِ رنجور کو

حال اُس کا کس سے پوچھا چاہیئے

جنوں کارفرما ہوا چاہتا ہے — قدم دشت پیما ہوا چاہتا ہے

دمِ گریہ کس کا تصور ہے دل میں — کہ اشک اشکِ دریا ہوا چاہتا ہے

خط آنے لگے شکوہ آمیز اُن کے — ملاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہم کو — وہ صرفِ تمنا ہوا چاہتا ہے

ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں میں — اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے

مجھے کل کے وعدے پہ کرتے ہیں رخصت — کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے

فزوں تر ہو کچھ اِن دنوں فسق و عصیاں — درِ رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے

یا کھینچ لائے دیر سے رندوں کو اہلِ وعظ — یا آپ بھی ملازمِ پیرِ مغاں رہے

وصلِ مدام سے بھی ہماری بجھی نہ پیاس — ڈوبے ہم آبِ خضر میں اور نیم جاں رہے

کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا روسیاہ — تم مدعی کے گھر گئے اور میہماں رہے

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام — کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمراز پھر ملا

کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے نہاں رہے

حقِ وفا کے جو ہم جتانے لگے — آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے

تھا یہاں دل میں طعنِ وصلِ عدو — عذر اُن کی زباں پہ آنے لگے

ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں — وہ اگر ہمت آزمانے لگے

ڈر ہے میری زباں نہ کھل جائے — اب وہ باتیں بہت بنانے لگے

جان بچتی نظر نہیں آتی — غیر الفت بہت جتانے لگے

تم کو کرنا پڑے گا عذرِ جفا — ہم اگر دردِ دل سنانے لگے

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم — ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

جی میں ہے لوں رضائے پیرِ مغاں — قافلے پھر حرم کو جانے لگے

سرِ باطن کو فاش کر یا رب — اہلِ ظاہر بہت ستانے لگے

وقتِ رخصت تھا سخت حالی پر

ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے — جس قدر کرنی ملامت اور کو آسان ہے
سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار — آئے اس میدان میں زاہد اگر کچھ جان ہے
دیکھ اے بلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کر — پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے
عقل پھیلی پر نہ سمٹی حرص و آز انسان کی — لے نہ اب نام آدمیت کا اگر انسان ہے
چیونٹوں میں اتحاد اور مکھیوں میں اتفاق — آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے
تجھ میں جوت اے شمع ہے کس برق عالم سوز کی — جان و دل سے تجھ پہ پروانہ جو یوں قربان ہے

دل میں حالی کے رہے باقی نہ بس ارمان کچھ
جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

تم میں وہ سوز نہ ہم میں ہے وہ ایمان باقی — رہ گیا کیا ہے بس اب گبر و مسلمان باقی
بزم دعوت میں سمائی ہوئی اپنی اس وقت — میزباں جب نہ رہا کوئی نہ مہمان باقی
حق ادا اک نگہ لطف کا ہوگا کیونکر — دل و دیں لے چکے وہ ہے ابھی احسان باقی
ظاہر اور وہی الفت کا نہیں چارہ پذیر — ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درمان باقی

توشہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہیں بہت کوچ کے سامان باقی

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تف کیجئے — نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجئے
واں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے بار — اس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجئے
ضبط کیجے وہ دل تو ضبط کی طاقت نہیں — اور کھلا جاتا ہے راز دل اگر اُف کیجئے

گناہوں سے بچنے کی صورت نہیں جب　　عبادت میں کیوں جان ناحق کھپائی

رُکا ہاتھ جب بن گئے پارسا تم　　نہیں پارسائی یہ ہے نارسائی

بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے　　سوا اِس کے منعم میں کیا ہے بڑائی

جو کہیئے تو جھوٹی جو سنیئے تو سچی　　خوشامد بھی ہم نے عجب چیز پائی

ہوئی تم کے پیری میں قدر جوانی　　سمجھ ہم کو آئی پہ ناوقت آئی

وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پربت　　وہ پربت کو بھی کر دکھاتا ہے رائی

جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح　　جو واں دل لگی تھی تو یاں منہ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی
نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

وصل کا اب بھی دلِ زار تمنائی ہے　　نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے

قطع اُمید نے دل کر دیئے یکسو صد شکر　　شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھائی ہے

قوتِ دست خدائی ہے شکیبائی میں　　وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے

ڈر نہیں غیر کا۔ جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے　　ہم نے جب کھائی ہے اپنے ہی سے زک کھائی ہے

نشہ میں چور نہ ہوں جھانجھ میں مخمور نہ ہوں　　پند یہ پیر خرابات نے فرمائی ہے

نظر آتی نہیں اب دل میں تمنا کوئی　　بعد مدت کے تمنا مری بر آئی ہے

بات سچی کہی۔ اور انگلیاں اٹھیں سب کی
جگ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے

ہنر کوشش و تدبیر کے سب چک گئے حالی
لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی

اہلِ معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی — بزم میں اہلِ نظر بھی ہیں تماشائی بھی
اپنا اور غیر کے حق تک نہیں کچھ رکھتے تمیز — دہر میں شہری بھی ایسے ہی ہیں صحرائی بھی
آنکھ سب ایک سی رکھتے ہیں ذرا ایک سندی — اس میں مسلم بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی
جو چھپاتے ہیں حق اندیشۂ رسوائی سے — کھاتے ہیں ان کے لگی بیٹھی ہے رسوائی بھی
دوست گر بھائی نہ ہو دوست ہے تو بھی لیکن — بھائی گر دوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی
اے غمِ[1] دوست تجھی پر نہیں یہی گذران — کچھ فتوح اس کے سوا اور ہی بالائی بھی
دلِ غنی رکھتے ہیں اے دولتِ دنیا جو لوگ — تیور ان کے کبھی تو دیکھ کے شرمائی بھی
عقل ہے اپنی حماقت کے چھپانے کی انیس — جن میں کچھ ساتھ حماقت کے ہے خود رائی بھی
عقل اور حسن پہ جن کے ہیں حریف بھی گواہ — ان کو خود رائی بھی پھبتی ہے خود آرائی بھی
ملنے دے گی نہ اجل تم سے ہمیں جی بھر کر — فرصت اے دوستو دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے[2] ہم - پہ رہے مُردوں سے بدتر حالی
دیکھ لی ہم نے طبیبوں کی مسیحائی بھی

ملا کھل کے زاہد کا زہدِ ریائی — بنائی بہت بات پر بن نہ آئی
بڑائی ہے رندوں میں بھی شیخ لیکن — کہاں یہ بڑائی کہاں وہ بڑائی

---

[1] یعنی غمِ دنیا مثلاً زن و فرزند وغیرہ ۱۲ [2] اپنے دائم المریض ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲

اڑے گی خاک تقدس کی اب سر بازار — قضیۂ شیخ میں جوتی اچھلتی جاتی ہے

نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب کچھ حالی
کچھ اک جھجک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

بری اور بھلی سب گذر جائے گی — یہ کشتی یونہیں پار اتر جائے گی
ملے گا نہ گلچیں کو گل کا پتا — ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی
رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا — کوئی دن میں گنگا اتر جائے گی
ادھر ایک ہم اور زمانہ ادھر — یہ بازی تو سو بدے ہر جائے گی
بناوٹ کی شیخی نہیں رہتی شیخ! — یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی
نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں — یونہیں عمر ساری گذر جائے گی

سنیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی — کہ ان کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی
نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن — غضب کی لوٹ یہ جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں — یہ گلچینی ہے یا لٹس ہے گلچیں یا ہے قزاقی
کمال کفش دوزی علم افلاطوں سے بہتر ہے — یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جس کو مشائی نہ اشراقی
وہی دانائی آخر غالب آکر پہلوانی پر — گئے چین ہار سب چینی و فرغانی و قبچاقی
ہمارے ظرف ہی الہام کے قابل نہیں ورنہ — لنڈھائے خم پہ خم غیبوں کے کیوں مستی کو ساقی

فیصلہ گردشِ دوراں نے کیا ہے سو بار
مرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے

دم سے یوسف کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر
چرخ کہتا تھا کہ یہ بیت حزن کس کا ہے

مطمئن اس سے مسلمان نہ مسیحی نہ یہود
دوست کیا جانیے یہ چرخ کہن کس کا ہے

واعظ اِک عیب سے تو پاک ہے یا ذاتِ خدا
ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے

آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
عزم تسخیر پھر اے شیخ زمن کس کا ہے

آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر
تم میں روپ ہے گل و نسرین و سمن کس کا ہے

عشق اُدھر عقل اِدھر دھن میں چلے ہیں تیری
رستہ اب دیکھیے دونوں میں کٹھن کس کا ہے

شان دیکھی نہیں گر تو نے چمن پیرا اُس کی
ولولہ تجھ میں یہ اے مرغ چمن کس کا ہے

ہیں فصاحت میں مثل واعظ و حالی دونو
دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

سپاہ و میر سپہ باغ باغ ہیں۔ لیکن
بھیر روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب
کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے

قلق انہیں نہیں گر دوستوں سے چھٹنے کا
طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ سنبھلتی جاتی ہے

بہت سے کھو دیے خلجان بینوائی نے
ضرورت ایک کے بعد ایک ٹلتی جاتی ہے

ہٹے ہیں بار امانت سے تیرے سب عاجز
زمیں بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے

ہر حکم پہ ہوں راضی ہر حال میں ہیں خوش — کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی

صبر و سکوں سے ہم کو یہ بھی نہ بیٹھنے دے — تھوڑی سی رہ گئی ہے اب کاہش نہانی

پھر یہ بنائے ہستی ہے تیرے بعد ویراں — ہے تو بھی اب غنیمت اے ضعف و ناتوانی

دیکھا جمال جاناں آنکھوں نے ورنہ دل نے — کیا جانے کس ادا سے کی تو نے دل ستانی

اک نکتہ کے بیاں سے سربر نہ ہوگے حالی

چلتا نہیں کسی کا یاں لاف نکتہ دانی

کہہ دو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے — گر مے نہیں دے زہر ہی کا جام بلا سے

جو کچھ ہے سو ہے اس کے تغافل کی شکایت — قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے

دلالے نے امید دلائی تو ہے لیکن — دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلاسے

ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اے شہ خوباں — یاں ہیں تو فقط تیری محبت کے پیاسے

پیاسے ترے سرگشتہ ہیں جو راہ طلب میں — ہونٹوں کو وہ کرتے نہیں تر آب بقا سے

در گزرے دوا سے تو بھروسے پہ دعا کے — در گزریں دعا سے بھی دعا ہے یہ خدا سے

اک درد ہو بس آ کے تھمے پھر دل میں کہ جس کو — تخفیف دوا سے ہو نہ تسکین دعا سے

حالی دل انساں میں ہے گم دولت کونین — شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسان و عطا سے

جب وقت پڑے دیجئے دستک در دل پر

جھکئے فقرا سے نہ جھکئے امرا سے

کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے — کل بتا دے گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

حقیقت محرمِ اسرار سے پوچھ — مزا انگور کا مے خوار سے پوچھ

وفا اغیار کی اغیار سے سُن — مری الفت در و دیوار سے پوچھ

ہماری آہِ بے تاثیر کا حال — کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ

دلوں میں ڈال ذوقِ اسیری — کمندِ گیسوئے خمدار سے پوچھ

دلِ مہجور سے سُن لذتِ وصل — نشاطِ عافیت بیمار سے پوچھ

نہیں جز گریۂ غم حاصلِ عشق — مآلِ چشمِ دریا بار سے پوچھ

نہیں آبِ بقا جز جلوۂ دوست — کسی لب تشنۂ دیدار سے پوچھ

فریبِ وعدۂ دیدار کی قدر — شہیدِ خنجرِ انکار سے پوچھ

فغانِ شوق کو مانع نہیں وصل — یہ نکتہ عندلیبِ زار سے پوچھ

تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم — وہ تصویرِ خیالِ یار سے پوچھ

متاعِ بے بہا ہے شعرِ حالی
میری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہے اُن کی دوستی پہ ہم کو تو بدگمانی — وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ اُن کی مہربانی

بے جرم کوئی آخر کب تک سنے ملامت — ناصح سے ہم کو اپنی کہنی پڑی کہانی

عاشق کے دل کو ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے — دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی

اُمیدِ وصل سے ہے کچھ بھی چھیڑ لے دیتا — جو کچھ سُنا ہے ہم نے شاہد کی زبانی

کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
بچا لو نہ رخنے نسب میں کسی کے نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
کرو علم سے اکتساب شرافت نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ
فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
کرو ذکر کم اپنی داد و دہش کا مبادا کہ ثابت ہو خسّت زیادہ
پھر اوروں کی تکتے پھرو گے سخاوت بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ
کہیں دوست تم سے نہ ہو جائیں بدظن جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
جو چاہو فقیری میں عزت زیادہ نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ
نہیں چھپتے عیب اتنی ثروت سے تیرے خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ
بکے مفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں یہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر نہیں بس اب اے عقل مہلت زیادہ
غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی الاپیں بس اب آپ حضرت زیادہ

اے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بک — آج کل کیجیے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ
قافلے ساتھ کے جا پہنچے حرم کے لگ بھگ — وقت اب ہاتھ سے جاتا ہے جو آتے ہو تو آؤ

ان کے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

۵۵

بہ فیضِ حق بنا جب تھا نہ اب کچھ — فقیروں کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ
ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک زاہد — بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ
کچھ اور آؤ بن کر تم اے میرو مرزا — نہیں پوچھتے یاں حسب اور نسب کچھ
یہ طبلِ تہی ہیں جو ٹنکارتے ہیں — جنہیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ
دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا — ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ
ہے افسردہ مجلس کی خست سے واعظ — وہ گرمائیگا یہ سمجھیں گے جب کچھ
تم اپنی سی کہنی تھی جو کہہ چکے سب — نہیں ناصحو تم پہ الزام اب کچھ
یہ ہے میرِ مجلس کہ جینی کی صورت — ٹٹولو تو ہیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقمۂ چرب تاکا ہے شاید
یہ حالی کی عزلت نہیں بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ — مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
تکلف علامت ہے بیگانگی کی — نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ

نہ چھیڑوں تذکرہ وصلِ عدو کا — اگر طبعِ مبارک پر گراں ہو

تقاضائے محبت ہے۔ وگرنہ — مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو

بہت بیقدر ہوں محفل میں تیری — کہیں ناخواندہ تو بھی میہماں ہو

مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں — بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو

کمر خون پر ہمارے باندھ رکھے — جسے سنتی ہماری داستاں ہو

مؤثر ہے بہت حالی ترا وعظ
کل اس کے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے پیرِ مغاں کا جوانی نہ گنواؤ — خیر کفارۂ عصیاں ہے پیو اور پلاؤ

دل کو کس طرح سمجھیئے کہ وہی ہے یہ دل — وہ امیدیں ہیں نہ ارمان وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ

یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر — تو تو اچھا ہے مگر تیرے نُٹھے ہیں برتاؤ

دوست ہوں جس کے ہزاروں وہ کسی کا نہیں دوست — سچ بتا تجھ کو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ

تو ہی برقِ جہاں سوز ہی بن خواہ نہ بن — ہے برابر ترا بے ساختہ پن اور بناؤ

ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چھڑواتے ہو — ناصحاب تمہیں دشمن ہیں یا دوست بتاؤ

ہو گیا ذکرِ قیامت تو اجیرن واعظ — باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ

تجھ کو اے ابرِ بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا — ایک ہی بار تم اے بادلو اس طرح نہ چھاؤ

پہنچ اے خضر کہ ہے وقت مددگاری کا — ڈگمگاتی ہے بہت دیر سے منجدھار میں ناؤ

دیکھیں کس طرح نہ سر سبز ہو پھر کشتِ امید — آؤ اور ندیاں آج آنسوؤں کی مل کے بہاؤ

فصلِ خزاں کمین میں ہے صیاد گھات میں
مرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں

لاتا ہے دل کو وجد میں اک حرف آشنا
لیجائیے ہم کو دیکھیے ذوقِ سخن کہاں

جی ڈھونڈھتا ہے بزمِ طرب میں اُنہیں مگر
وہ آئے انجمن میں تو پھر انجمن کہاں

دل ہو گیا ہے لذتِ غربت سے آشنا
اب ہم کہاں ہوائے نشاطِ وطن کہاں

کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپکے
شکوے کو لیگیا ہے وہ بیاد غن کہاں

رد کا بہت کل آپ کو حالی نے واں مگر
جاتا ہے محوِ شوق کا دیوانہ پن کہاں

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح
لگا دو آگ کوئی آشیاں میں

کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں
دھرا کیا ہے اشاراتِ نہاں میں

کہیں انجامِ آ پہونچا وفا کا
کھُلا جاتا ہے اب کے امتحاں میں

نیا ہے لیجیے جب نام اس کا
بہت وسعت ہے میری داستاں میں

دلِ پُر درد سے کچھ کام لوں گا
اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں

بہت جی خوش ہوا حالی سے ملکر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

و

مرے دل میں ہو گو مجھ سے نہاں ہو
ق
مجھے بھی ڈھونڈھ لینا تم جہاں ہو

قول دینے میں تامل نہ قسم سے انکار ۔۔۔ ہم کو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہیں
کل خرابات میں اِک گوشہ سے آتی تھی صدا ۔۔۔ دل میں سب کچھ ہے مگر رخصتِ گفتار نہیں
حق ہوا کس سے ادا اسکی وفاداری کا ۔۔۔ جس کے نزدیک جفا باعثِ آزار نہیں
دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کونسی راہ ۔۔۔ کعبہ و دیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں

ہوں گے قائل وہ ابھی مطلعِ ثانی سُن کر
جو تعلّی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں ؎

ہیں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں ۔۔۔ اِک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں
کچھ پتا منزلِ مقصود کا پایا ہم نے ۔۔۔ جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ گفتار نہیں
چشم بد دُور بہت پھرتے ہیں اغیار کیساتھ ۔۔۔ غیرتِ عشق سے اب تک وہ خبردار نہیں
ہو چکا ناز اُٹھانے میں ہے گو کام تمام ۔۔۔ للّٰہ الحمد کہ باہم کوئی تکرار نہیں
مدتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا ۔۔۔ دِل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں
اصلِ مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتا ۔۔۔ ورنہ ہم اَور کسی شے کے طلبگار نہیں

بات جو دِل میں چھپائے نہیں بنتی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

وحشت میں تھا خیالِ گُل و یاسمن کہاں ۔۔۔ لائی ہے بوئے اُنس نسیمِ چمن کہاں
ہے بندگی کے ساتھ یہاں ذوقِ دید بھی ۔۔۔ جائے گا دیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں
اہلِ طریق جس کو سمجھتے ہیں زادِ راہ ۔۔۔ واں دخلِ دستبرد کو اے راہزن کہاں

قیس ہو کوہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ ہنسی کھیل سنبھلنا غمِ ہجراں میں نہیں — چاک دل میں ہے مرے جو کہ گریباں میں نہیں

کھو دیا یاس نے ذوقِ خلشِ فکرِ وصال — اک مزا تھا سو وہ اب کاوشِ پنہاں میں نہیں

ہنسنے کی سیرِ چمن غور سے اے بلبلِ زار — بات چبھتی ہوئی کوئی گل و ریحاں میں نہیں

عشق نے مصر میں سو بار زلیخا سے کہا — فتنۂ دہر ہے جو حسن وہ کنعاں میں نہیں

محتسب! صدق و صفا یاں ہے انہیں کے دم تک — مصلحت پر بھی صحبتِ رنداں میں نہیں

یاں بھی ہے کون وہ مکاں سے دلِ وحشی آزاد — جس کو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں

ٹھیرتے ٹھیرتے دل یوں ہی ٹھہر جائیگا — بات جو آج ہے وہ کل غمِ ہجراں میں نہیں

کس طرح اسکی لگاوٹ کو بناوٹ سمجھوں — خط میں لکھا ہے وہ القاب جو عنواں میں نہیں

دی ہے واعظ نے ہمیں آ کے تا آپ کی تکلیف نہ پوچھ — ایسے الجھاؤ ترے کاکلِ پیچاں میں نہیں

آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نہ جائے — اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں

بیقراری تھی سب امیدِ ملاقات کے ساتھ — اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجراں میں نہیں

حالیِ زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز
یہ تو آثار کچھ اس مردِ مسلماں میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں — شادیِ وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں

خوبروئی کے لئے زشتیِ خو بھی ہے ضرور — سچ تو ہے کہ کوئی تجھ سا طرحدار نہیں

نہیں کچھ منحصر دلبستگی زلفِ پریشاں میں — جو دل چاہے تو الجھے اک غبارِ دودِ پیچاں میں

اگر چھوڑا لگن نے جذبۂ عشقِ زلیخا نے — نہ رہنے دیگا حسنِ خود نما یوسف کو کنعاں میں

تصور نے بھلایا تیرے ذوقِ شادی و غم کو — نہ کچھ کلفت ہی زنداں میں نہ کچھ راحت شبستاں میں

خوشی میں بھی نہیں رہنا خوش آتا ایک حالت پر — کہاں تک جی نہ گھبرائے الٰہی دردِ ہجراں میں

زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز — نہ پوچھو ہم سے کیا دیکھا ہے ہم نے بزمِ رنداں میں

فلک سے جیتے جی معلوم ملنا کامِ دل اے خضر — سوائے طولِ حسرت کیا دھرا ہے آبِ حیواں میں

نہ چھوڑیگی محبت یار سے ناکام عاشق کو — نسیمِ مصر کب آتا ہے اک دن بیتِ احزاں میں

گل و نسریں تو کیا فرقت میں جی تک چھوٹ جاتا ہے — ہمارا بھی کبھی لگتا تھا دل سیرِ گلستاں میں

بہت دن چاہیئیں یوسف کو تا پہنچے زلیخا تک — نکل کر چاہِ کنعاں سے ابھی رہنا ہے زنداں میں

نہ دی حیرت نے حالی فرصتِ سیرِ جہاں اک دم
رہے ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیاباں میں

اب وہ اگلا سا التفات نہیں — جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں

مجکو تم سے ہے اعتمادِ وفا — تم کو مجھ سے پر التفات نہیں

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کیساتھ — زندگی موت ہے حیات نہیں

یوں نہیں گذرے تو سہل ہے لیکن — فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں

کوئی دل سوز ہو تو کیجئے بیان — سرسری دل کی واردات نہیں

ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید — جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں

رُخ اور بیدر دونوں پھرتی ہیں بے سری سی — گویا امیرِ لشکر مارا گیا ہے رَن میں
خرد و بزرگ سارے ہیں بدحواس گویا — لٹنے کی قافلہ کے پہنچی خبر وطن میں
بھولی ہوئی ہیں ڈاریں ہرنوں کی چوکڑی سب — جائیں کدھر کہ ہر سو دَوَن لگ رہی ہے بن میں
حالیؔ بس اب نہیں یاں سننے کی تاب باقی — مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں

نوکِ زبان نے تیری سینوں کو چھید ڈالا
ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہے زبان دہن میں

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں — اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں
ہے دورِ جامِ اول شب میں خودی سے دور — ہوتی ہے آج دیکھیے ہم کو سحر کہاں
یارب اِس اختلاط کا انجام ہو بخیر — تھا اس کو ہم سے ربط مگر اِس قدر کہاں
اِک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق — رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں
بس ہو چکا بیان کسل و رنجِ راہ کا — خط کا مرے جواب ہے اے نامہ بر کہاں
کون و مکاں سے ہے دِلِ وحشی کنارہ گیر — اِس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں
ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور — عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی — دِل چاہتا نہ ہو تو زبان میں اثر کہاں

حالیؔ نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

پیا ہمنے نہ جام بے کدورت بزمِ دوراں میں — خزاں کو لیگئے ہمراہ گر پہنچے گلستاں میں

بادِ صبا گئی پھونک کیا جانے کان میں کیا — پھولے نہیں سماتے غنچے جو پیرہن میں

چُپ ہے زبانِ سوسن حیران ہے چشمِ نرگس — قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین و نسترن میں

ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی — پڑتی ہے جان باقی بس سرو و نارون میں

ہے عید اہلِ اسلام یا موسمِ بہاراں — جنگل بسا ہوا ہے سب عطرِ یاسمن میں

مُنہ سے دھواں سا اُٹھا لیتے ہی نامِ اسلام — بارود بجھ رہی تھی گویا لب و دہن میں

پھر زخم پھوٹ نکلا حالی نہ چھیڑنا تھا — فصلِ خزاں کا قصہ ذکرِ گل و سمن میں

گو رو چکے ہیں دُکھڑا سو بار قوم کا ہم — پر تازگی وہی ہے اِس قصۂ کہن میں

وہ قوم جو جہاں میں کل صدرِ انجمن تھی — تم نے سُنا بھی؟ اُس پر کیا گذری انجمن میں

پائینِ بزم بھی اب ملتی نہیں اُسے جا — روندن میں ہے وہ گلبن پھولا تھا جو چمن میں

ہُدہُد کی جوں میں ہے مرغوب اب وہ ملت — تھی سہمناک کل تک جو شیر کے بدن میں

وہ دِن گئے کہ حکمت تھی متنِ یمن[1] کی — ہے اب بجائے حکمت خاک اُڑ رہی یمن میں

وہ دِن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے — ہے کال موتیوں کا اب سربسر عدن میں

قبرِ اویس پر ہے بس فخر اب قرن کو — زندہ اویس کوئی باقی نہیں قرن میں

اِس باغ کی خزاں نے کچھ خاک سی اُڑا دی — فصلِ بہار گویا باقی نہ تھی چمن میں

ڈالی نہ ہو گی آگے اے دورِ چرخ شاید — جو اب کے تو نے ہلچل ڈالی ہے انجمن میں

---

[1] یمن کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ "الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ" یعنی ایمان ہے تو یمن کا ہے اور حکمت ہے تو یمن کی ہے" اسی بنا پر میر باقر داماد نے اپنے فلسفہ کا نام حکمت یمانیہ رکھا ہے ۱۲

جانور - آدمی - فرشتہ - خدا آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں

آج کل جو ہے مُصلح بہت دیکھئے ہو بگاڑ کس کس میں

کی ہے خلوت پسند حالی نے

اب وہ دیکھو گے اِس کو مجلس میں

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں ہیں مے ناب کے دلال قدح خوار نہیں

شہر میں اُن کے نہیں جنس وفا کی بِکری بھاؤ ہیں پوچھتے پھرتے یہ خریدار نہیں

کون سے وہ گُل رعنا پہ نوا سنج نہیں کونسی نرگس شہلا کے وہ بیمار نہیں

کبھی لیلیٰ پہ ہیں مفتون کبھی شیریں پہ فدا اور جو پھر دیکھو تو دو نوں سے سروکار نہیں

اُٹھ نہیں سکتی سزا جرم وفا کی اُن سے دِل پھنسا کر کہیں بنتے وہ گنہگار نہیں

عیش میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں وہ اور جو ہو کبھی کا کھٹکا بھی تو پھر یار نہیں

نِت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا اِن کو در بدر جھانکنے پھرنے سے اِنہیں عار نہیں

بوالہوس کا م طلب بندۂ نفس اہل ہوا ایک عالم ہے اِسی رنگ میں دو چار نہیں

دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا اُن کے اِن میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں

کہے حالی بھی اگر عاشق صادق ہوں میں

کہدو واللہ کہ صادق نہیں زنہار نہیں

پھونکا ہے فصلِ گُل نے صور آکے پھر چمن میں اِک حشر سا ہے برپا مرغانِ نغمہ زن میں

بلبل کے آگ سی کچھ تن من میں لگ رہی ہے بجلی گری فلک سے یا گُل کھِلا چمن میں

زہد و طاعت کا سہارا نہیں جب سے زاہد
یاد اس کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں

عیب یہ ہے کہ کرو عیب، ہنر دکھلاؤ
ورنہ یاں عیب تو سب فردِ بشر کرتے ہیں

غمزدہ رنج و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ
دل دکھاتے ہیں وہی جس میں کہ گھر کرتے ہیں

جی رکاوٹ سے جو اُن کی کبھی رُک جاتا ہے
اِک لگاوٹ ہے اِدھر سے وہ اُدھر کرتے ہیں

اِک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یا رب
یا اِسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

تلخیاں زیست کی تھوڑی سی رہی ہیں باقی
یہ مہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں

قیصر و زار کا یاں پیٹ تو بھرنا معلوم
بس ہماری ہی طرح وہ بھی گزر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی
آپ اکثر رمضاں ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں
رخنے مجلس کے سیکڑوں اس میں

کی نصیحت بُری طرح ناصح
اور اِک بس ملا دیا رس میں

ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے
چشمِ اِنسان و چشمِ نرگس میں

بے قدم دم ہیں خانقاہوں میں
بے عمل علم ہیں مدارس میں

دین اُور فقر تھے کبھی کچھ چیز
اب دھرا کیا ہے اُن میں اَور اِس میں

نہ ہو قبضے میں جب عنانِ فرس
ہیچ ہیں جو ہُنر ہیں فارس میں

جس سے نفرت ہے اہلِ نعمت کو
وہی نعمت ہے چشمِ مفلس میں

ہو فرشتہ بھی تو نہیں اِنسان
درد تھوڑا بہت نہ ہو جس میں

بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہمیں
سُر تھے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بیوقت سی تھی
غل تو بہت یاروں نے مچایا پڑ گئے۔ اکثر مان ہمیں
غیر سے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں
بس کوئی دن کا اب **حالی** یا سمجھو تم مہمان ہمیں

کی تو ہیں ہم نے بھی حالی کوچ کی تیاریاں — سوجھتی ہیں راہ میں لیکن بہت دشواریاں
خواب راحت میں وہ لذت تیرے اے پیری نہیں — جو جوانی میں مزا دیتی تھیں سب بیداریاں
ہیں اگر بے دردیاں اپنوں کی دل کو ناگوار — ناگوار ان سے سوا غیروں کی ہیں غمخواریاں
ہے کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی — سب کو کرنی ہونگی پوری اپنی اپنی باریاں
زیست بے عقلوں کو ہو جائے بسر کرنی محال — اتنی بھی اے عاقلو اچھی نہیں ہشیاریاں
بے مزہ ہے اہل دیں کی ترشروئی بھی مگر — اس سے پھیکی اہل دُنیا کی ہیں ظاہرداریاں

گو طبیعت سے گئے سب مادے فاسد نکل
کم ہوئیں **حالی** نہ لیکن نفس کی بیماریاں

رازِ دل کی سر بازار خبر کرتے ہیں — آج ہم شہر میں خون اپنا ہدر کرتے ہیں
عقل کی بات کوئی ہم نے کہی ہے شاید — جتنے جتنے ہیں سب ہم سے حذر کرتے ہیں
جُرم خالق سے سوا پاتے ہیں جُرمِ فقہا — جب کہ ہم اپنے گناہوں پہ نظر کرتے ہیں
کم سے کم وعظ میں اتنا تو اثر ہو واعظ! — بول قوال کے جو دل میں اثر کرتے ہیں

کھیتیوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا کچھ کرلو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

رونے میں تیرے حالی لذّت ہے کچھ نرالی

یہ خوں فشانیاں ہیں یا گل فشانیاں ہیں

جب سے سُنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہمیں

اب نہ سُنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں

کچھ روزوں غفلت میں پھرے یاں ڈھونڈتے ہم آسایش کو

کھُل گئی جب دُنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلجان ہمیں

چل کے نئی اِک چال فلک نے کھو دیئے ہوش حریفوں کے

زد سے بچیں یا مات قبولیں اتنے نہیں اوسان ہمیں

پاس اُنہیں گر اپنا ذرا ہو۔ جان اپنی بھی اُن پہ فدا ہو

کرتے ہیں خود نا منصفیاں اور کہتے ہیں نا فرمان ہمیں

داد طلب سب غیر ہوں جب تو اُن میں کسی کا پاس ہو

بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ پہچان ہمیں

صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا

دیکھ کے اس کو سارے تمہارے آگئے یاد احسان ہمیں

یاں تو بدولت زہد و ورع کے بنھ گئی خاصی عزّت سے

اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو   کچھ پا گئے ہیں آپ کی طرزِ ادا سے ہم
دلکش ہر ایک قطعۂ صحرا ہے راہ میں   ملتے ہیں جا کے دیکھئے کب کاروان سے ہم

لذّت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ
پوچھیں گے جا کے حالیؔ جادو بیاں سے ہم

ن

یاروں کو تجھ سے حالیؔ اب سرگرانیاں ہیں   نیندیں اُچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں
یاد اسکی دل سے دھو دے اے چشمِ تر تو مانوں   اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیاں ہیں
بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی   اُلفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں
غیبت ہو یا حضوری دونوں بری ہیں تیری   جب بدگمانیاں تھیں اب بدزبانیاں ہیں
کہتے ہیں جس کو جنت وہ اِک جھلک ہے تیری   سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں
رحمت تری غذا ہے غصہ تری ادا ہے   شانیں ہیں تیری جتنی جانِ جہانیاں ہیں
ہوگا تو پہلے ہوگا اے چرخ مہرباں تو   کچھ اِن دنوں تو ہم پر نامہربانیاں ہیں
اپنی نظر میں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہم   بے غیرتی کی یارو اب زندگانیاں ہیں
روتے ہیں چار ہم پر ہنستے ہیں چار ہم پر   یاں تک ہماری پہنچیں اب ناتوانیاں ہیں
ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں ہیں خوش   حصّہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں
خاور سے باختر تک جنکے نشاں تھے برپا   کچھ مقبروں میں باقی اُنکی نشانیاں ہیں
دیکھا نہیں ابھی تک قحط الرجال تم نے   اِس سے بھی سخت آئیں آگے گرانیاں ہیں

جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
اپنے میں گر شمۂ مہر و وفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
گر کبھی توفیق و ایثار و عطا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
درد خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم

ٹھہرتے جاتے ہیں جتنے چشمِ عالم میں بھلے
حال نفسِ دوں کا اتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم

جس قدر جھک جھک کے ملتے ہیں بزرگ و خورد سے
کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم

گو بھلائی کر کے ہم جنسوں سے خوش ہوتا ہے جی
تہ نشیں اس میں مگر دُرد ریا پاتے ہیں ہم

ہے ردائے نیکنامی دوش پر اپنے مگر
داغ رسوائی کے کچھ زیر ردا پاتے ہیں ہم

راہ کے طالب ہیں پر بیراہ پڑتے ہیں قدم
دیکھیے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم

نور کے ہم نے گلے دیکھے ہیں اے حالی مگر
رنگ کچھ تیری الاپوں میں نیا پاتے ہیں ہم

آگے بڑھے نہ قصۂ عشق بتاں سے ہم
سب کچھ کہا مگر نہ کھلے رازداں سے ہم

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشق بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم

خود رفتگی شب کا مزا بھولتا نہیں
آئے ہیں آج آپ میں یا رب کہاں سے ہم

دردِ فراق رشکِ عدو تک گراں نہیں
تنگ آ گئے ہیں اپنے دلِ شاداں سے ہم

جنت میں تو نہیں اگر اے زخم تیغِ عشق
بدلیں گے تجھکو زندگی جاوداں سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر
آئے ہیں آج چھوٹ کے قیدِ گراں سے ہم

ہنستے ہیں اس کے گریہ بے اختیار پر
بھولے ہیں بات کہہ کے کوئی رازداں سے ہم

م

مدرسہ میں دہر کے رو بر قفا بیٹھے تھے ہم
اُٹھے بس ویسے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے ہم

پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عشوہ پہ ہیں کافر کے لوٹ
زالِ دُنیا سے ابھی ہو کر خفا بیٹھے تھے ہم

صحبتیں اہلِ ورع کی سب گئیں نظروں سے گر
بزمِ رنداں میں یونہیں اِک دن جا بیٹھے تھے ہم

شیخ دُنیا کی حقیقت رہ کے دُنیا میں کھُلی
ورنہ دھوکا دُور سے دیکھ اسکو کھا بیٹھے تھے ہم

ہم نہ تھے آگاہ واعظ زشت خوی سے تری
آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم

سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر
ہاتھ ساحل ہی پہ بیڑے سے اُٹھا بیٹھے تھے ہم

ہم سے خود دُنیا ہی پتیائی نہ حالی ورنہ یاں
دین تک دُنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
پر ہر اک خوبی میں داغ اِک عیب کا پاتے ہیں ہم

خوف کا کوئی نشاں ظاہر نہیں افعال میں
گو کہ دِل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم

کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
پر گنہ چھُپ چھُپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم

دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم

دِل میں دردِ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
پر اُسے آلودہ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم

ہو کے نادم جُرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
جُرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم

ہیں فدا اُن دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم

گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا
اِک جہاں سے آپکو لیکن خفا پاتے ہیں ہم

کاہشوں سے پرورش پائی ہے روح   اب لگا کھایا پیا سب آ کے لگ
عقل شاید ملک میں باقی ہے کچھ   ہے ابھی کچھ حالِ افیون و بھنگ
بڑھ گیا ہے رحمِ انسانی بہت   ہوگی ایجاد اب نئی توپ و تفنگ

قوم کو حالی نہیں راس اتفاق
پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہم پہ رنگ

ل

ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل   یا زمانہ ہی گیا یا رب بدل
رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف   اور ابھی ہونا ہے شاید مبتذل
اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں   ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل
کب تک آخر ٹھہر سکتا ہے وہ گھر   آگیا بنیاد میں جس کی خلل
ناؤ ڈوبے یا کہیں کھیوا ہو پار   تیری حد بھی ہے کچھ اے طولِ امل
اب لگاؤ پودھ کچھ اپنی نئی   لا چکے پودے بہت اگلوں کے پھل
دیکھیے نبھتا ہے کب تک پاسِ وضع   ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل
کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں   وقت کوشش کا گیا شاید نکل

اب سنو حالی کے نوحے عمر بھر
ہو چکا ہنگامۂ مدح و غزل

دوست کہتے ہیں جان نثار اپنا ہو یا بیگانہ ہو
ہے عشیرہ اور اُن کا دودمان سب سے الگ

سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
ہے کوئی بھیدی اور ان کا راز داں سب سے الگ

جانچتے اوروں کو ہیں خود لیلے اپنا امتحان
رکھتے ہیں اپنا طریقِ امتحان سب سے الگ

اِک چمن بھر تفریح رکھتے ہیں زیرِ بغل
روضۂ و بستانِ فردوسِ جنان سب سے الگ

کلبۂ احزاں ہے روشن اِن کا جس مہتاب سے
ہے وہ نورِ مہر و ماہ و کہکشاں سب سے الگ

سینکڑوں پھندوں میں یاں جکڑا ہوا ہے بند بند
پر ٹٹولے کوئی دل اُن کا تو واں سب سے الگ

شاعروں کے ہیں سب انداز سخن دیکھے ہوئے
دردمندوں کا ہے دکھڑا اور بیاں سب سے الگ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکان سب سے الگ

صلح ہے اِک مہلتِ سامانِ جنگ
کرتے ہیں بھرتے کو یاں خالی تفنگ

عہدِ گیتی پر نہ پھولیں کامراں
آخر اِس کی آشتی لائے گی رنگ

علم کیا۔ اخلاق کیا۔ ہتھیار کیا
سب بشر کے مار رکھنے کے ہیں ڈھنگ

روکئے بدخو کو بدخوئی سے کیوں
آپ اپنی خو سے آجائے گا تنگ

زہد و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ
یہ بھی ہے اِک نوجوانی کی ترنگ

پاکبازوں کو نہیں کچھ قیدِ وضع
جو ہیں اچھے اُن پہ سب کھلتے ہیں رنگ

کام کا شاید زمانہ ہو چکا
دل میں اب اُٹھتی نہیں کوئی اُمنگ

وہ عجائب اب نظر آتے ہیں کھیل
دیکھ پہلے جن کو رہ جاتے تھے دنگ

ک

دلوں کا کھوٹ اگر کیجیے برملا اک ایک — تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا اک ایک

سلامتی کو وہاں قافلوں کی رو بیٹھیں — جہاں ہے راہزنِ خلق رہنما اک ایک

زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر — بنا ہے غوثِ زماں آجکل گدا اک ایک

سہا ہوں رند بھی لے شیخ پارسا بھی میں — مری نگاہ میں ہے رند و پارسا اک ایک

وفا کی ایک تجھی سے امید ہے اس وقت — کہ یار یار سے ہو جائیگا جدا اک ایک

چھپا کے اس سے قصور اپنے ہم بہت شرمائے — جب آپ منھ سے لگی بولنے خطا اک ایک

ہوا نہ ایک بھی حق اس کی بندگی کا ادا — کیا ہے جس نے حقِ خواجگی ادا اک ایک

امیر حاج کی ہمت میں گر نہ آئے قصور — تو موجِ بحر ہے کشتی کی ناخدا اک ایک

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو — ورق جب اس کا اڑا لے گئی ہوا اک ایک

بہار نے بھی نہ بلبل تری بجھائی آگ — جگر کے پار ہے اب بھی تری نوا اک ایک

وہ عشق ہے نہ جوانی وہ تو ہی اب نہ وہ ہم — پہ دل پہ نقش ہی ابتک تری صدا اک ایک

نہ ہم رہیں گے نہ حالی پہ دلخراش جہاں
رہے گی حالیِ دلگیر کی صدا اک ایک

گ

عالمِ آزادگاں ہے اک جہاں سب سے الگ — ہے زمیں انکی اور ان کا آسماں سب سے الگ

پاک ہیں آلائشوں میں۔ بند شوں میں بے لگاؤ — رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ

ف

حق نہ ملّا نے کچھ بتایا صاف — اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف

آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی — مہرِ روشن نظر نہ آیا صاف

کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم — صاف تھے آپ سب کو پایا صاف

زاہدو ہم تو تھے ہی آلودہ — تم کو بھی ہم نے کچھ نہ پایا صاف

کیوں فقیہوں سے رک گئے حالی

بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لائق — نہ اپنا کلبۂ احزاں ہے یار کے لائق

کرے گا کیا ترا کحل الجواہر اے کحال — نہیں یہ آنکھ ہی دیدارِ یار کے لائق

مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ — بہت ہے زندگیِ مستعار کے لائق

غرور و حرص ہیں زیور عروسِ دنیا کے — بناؤ تھے یہی اس نابکار کے لائق

کرے گی بادِ بہار آ کے اب کسے سرسبز — رہا نہ باغ قدومِ بہار کے لائق

بس اب ہے فضلۂ روباہ گرگ پر گذراں — رہا نہ شیرِ ژیاں خود شکار کے لائق

گنہ کا عذر کریں محتسب ہم آنکھوں سے — ہمارے جرم ہوں گر اعتذار کے لائق

گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہے حالی — تمہیں تو شہر میں ہو اعتبار کے لائق

یہ ہم نے مانا کہ تم میں ہنر بھی ہیں کچھ کچھ — مگر نہیں کوئی خوبی شمار کے لائق

السّلام اے قاصدِ ملکِ بقا　الوداع اے عمرِ فانی الوداع
روزگارِ ضعف و سُستی الصلا　وقتِ سعی و جانفشانی الوداع
فرصتِ عشق و جوانی الفراق　قطعہ　دورِ عیش و کامرانی الوداع
تجھ کو سمجھے تھے نعیمِ جاوداں　۲　اے نعیمِ جاودانی الوداع
تیرے جاتے ہی گئیں سب خوبیاں　۳　اے خدا کی مہربانی الوداع
آ لگا حالیؔ کنارے پر جہاز
الوداع اے زندگانی الوداع

غ

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ　دیکھ اس خرام ناز پہ اتنا نہ کر دماغ
ہے تاک میں عقاب تو شہباز گھات میں　حملے سے یاں اجل کے نہیں ایکدم فراغ
یارب نگاہ بد سے چمن کو بچائیو　بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ
دو چار گام نقش قدم مل کے رہ گیے　آگے چلا نہ آہوے مشکیں کا کچھ سراغ
آئیں پئیں وہ شوق سے جو اہلِ ظرف ہوں　ساقی بھرے کھڑا ہے مئی لعل سے ایاغ
جنگل میں تختۂ گلِ خودرو کو دیکھ کر　تازہ ہوا زمانہ کی ناقدریوں کا داغ
حالیؔ بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزم شعر میں
باری تب اُن کی آئی کہ گل ہوگئے چراغ

فصل گل کی تھی فقط اتنی بساط
غنچہ چٹکا اور آپہونچی خزاں

جانیو واعظ اسے راہِ صراط
زینۂ ممبر ہے لغزش کی جگہ

ہم کریں پینے میں کیوں پھر احتیاط
تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ

کوچ کی حالی کرو تیاریاں
ہے قویٰ میں دمبدم اب انحطاط

ظ

بُرا کہہ نہ رندوں کو زنہار واعظ
چھپے ہیں حریفوں میں احرار واعظ

نہ ستّار ہے تو نہ غفّار واعظ
سدا قہر ہی قہر ہے عاصیوں پر

کوئی مل گیا گر ہمیں یار واعظ
نکل آئے گی میکشی کی بھی حلّت

سُنا ہے کہ ہوتے ہیں عیار واعظ
کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن

یہ جبّہ یہ ریش اور یہ دستار واعظ
ہمیں اور بھی تجھ سے کرتے ہیں بدظن

یہی ہے اگر حسنِ گفتار واعظ
نہ چھوڑیگا زیور گھروں میں نہ زر تو

مُسلمان نہ ہم کاش حالی کو کہتے
ہوئے بات کہہ کر گنہگار واعظ

ع

اے شباب اے شادمانی الوداع
اے بہارِ زندگانی الوداع

اے شبِ قدرِ جوانی الوداع
اے بیاضِ صبحِ پیری السّلام

چاہیئے ایک سب کا ہو مقصود — گو ہوں سب کی جُدا جُدا اعراض

یاد میں تیری سب کو بھول گئے — کھو دیئے ایک دُکھ نے سب امراض

دیکھیئے تو بھی خوش ہے یا ناخوش — اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض

لا اُبالی بان یُعاب ثیابی — کُلُّ ناسٍ وافقتُ عنّی راضٍ

منعمو بذل خیر میں یہ دیر — اپنا مطلب اور اس پہ سو اغماض

حق میں اپنوں کے سخت ممسک ہیں — جو کہ اوروں کے حق میں ہیں فیاض

رائے ہے کچھ علیل سی تیری — نبض اپنی بھی دیکھ اے نباض

وعظ میں گل کترتے ہیں واعظ — مُنھ میں ان کے زبان ہے یا مقراض

ہے فقیہوں میں اور ہم میں نزاع — ھل لنا فی نزاعنا مِن قاضٍ

ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد — غار کش تجھ سے ہے سوا مرتاض

شیخ کی تھی یہ آخری تلقین — چاہیئے زر تو اس سے کر اعراض

ایسی غزلیں سُنی نہ تھیں حالی

یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گذری ہو چکا دورِ نشاط — طے ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط

دل سے خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر — نام تھا شاید جوانی کا نشاط

دن اب اے دل منقبض رہنے کے ہیں — ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط

قیس سا پھر کوئی اُٹھا نہ بنی عامر میں — فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص
جمگھٹے دیکھے ہیں جن لوگوں کے اِن آنکھوں نے — آج ویسا کوئی دے ہم کو دکھا ایک ہی شخص
گھر میں برکت ہے مگر فیض ہے جاری شب و روز — کچھ سہی شیخ۔ مگر ہے۔ بخدا ایک ہی شخص

اعتراضوں کا زمانہ کے ہے حالیؔ یہ نچوڑ
شاعر اب ساری خدائی میں ہے کیا ایک ہی شخص!

ض

عشق کو ترکِ جنوں سے کیا غرض — چرخِ گرداں کو سکوں سے کیا غرض
دل میں ہے اے خضر گر صدقِ طلب — راہرو کو رہنموں سے کیا غرض
حاجیو ہے ہم کو گھر والے سے کام — گھر کے محراب و ستوں سے کیا غرض
گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو — اُن کو چنگ و ارغنوں سے کیا غرض
نیک کہنا نیک جس کو دیکھنا — ہم کو تفتیشِ دروں سے کیا غرض
دوست ہیں جب زخمِ دل سے بیخبر — اُن کو اپنے اشکِ خوں سے کیا غرض
عشق سے ہے مجتنب زاہد عبث — شیر کو صیدِ زبوں سے کیا غرض
کر چکا جب شیخ تسخیرِ قلوب — اب اُسے دُنیائے دوں سے کیا غرض

آئے ہو حالیؔ پئے تسلیم یاں
آپ کو چون و چگوں سے کیا غرض

دوست کا ناروا نہیں اعراض — دوستوں ہی کا کام ہے اغماض

غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے ہے چار طرف سے — اور معرکۂ گردشِ ایام ہے درپیش

وہ دن گئے جب تھا مرضِ صعب کا آغاز — اب اُس مرضِ صعب کا انجام ہے درپیش

گو صبح بھی تھی روزِ مصیبت کی قیامت — پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے درپیش

وہ وقت گیا۔ نشہ تھا زوروں پہ جب اپنا — اب وقتِ خمارِ مئے گلفام ہے درپیش

اُمیدِ شفا کا تو جواب آہی چکا ہے — اب موت کا سُننا ہمیں پیغام ہے درپیش

جی اُس کا کسی کام میں لگتا نہیں زنہار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے ایک مختص ہیں عطائیں خاص خاص — ہر مرض کو راس ہیں جیسے دوائیں خاص خاص

دل تو اپنا بھر چکا ہے زالِ دُنیا سے مگر — رہزنِ دل ہیں ابھی اسکی ادائیں خاص خاص

گو زمانہ نے بھلا دی دل سے اپنے فصلِ گل — یاد ہیں لیکن وہ بلبل کی صدائیں خاص خاص

زہد و تقویٰ سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب — وقت ہیں کچھ خاص خاص اور ہیں ادائیں خاص خاص

یوں تو ہے اُمید سب کچھ۔ پر نہ ہوں شاید معاف
وہ جو کی ہیں ہم نے اے حالی خطائیں خاص خاص

درد۔ اور درد کی ہو جس کے دوا ایک ہی شخص — ہائے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص

حور و غلماں کیلئے لائیں دل آخر کس کا — تجھ نے دیتا نہیں یاں عہدہ برا ایک ہی شخص

قافلے گم ہیں وہاں کیونکہ سلامت ہو حفظ — ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص

رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہاں اپنے پاس

خاک میں ہم نے مِلا رکھی ہے اکسیر اپنی آپ
ورنہ ہے ہر درد کا موجود درمان اپنے پاس

دست بُردِ اہرمن کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
ہے بحمداللہ وہ مُہرِ سلیمان اپنے پاس

دیکھنا حالی نہ دینا وضعِ فطرت کو بدل
ہے یہ دستاویزِ استخلافِ رحمان اپنے پاس

چھیڑ اب نہ اے تصورِ مژگانِ یار بس — کافی ہے خارخارِ غمِ روزگار بس

یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے — غمخواری اپنی رہنے دے اے غمگسار بس

ہر داغ فصلِ گل کی نشانی ہے اے صبا — گلگشت کو بہت ہے دلِ داغدار بس

ڈر ہے دلوں کیساتھ امیدیں بھی پس نجائیں — اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس

دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ — یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس

آتا نہیں نظر کہ یہ ہو رات اب سحر — کی نیند کیوں حرام بس اے انتظار بس

تھوڑی ہے رات اور کہانی بہت بڑی
حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اک غم کو ہم برسرِ ایام ہے درپیش — بنتا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش

ناتوانوں پہ گدھ ہیں منڈلاتے ۷ گھائلوں پر ہیں حیز تیر انداز
تشنۂ خوں ہیں بھوکے شیروں کے ۸ حیلہ گر روبہوں کے عشوۂ ناز
دشمنوں کے ہیں دوست خود جاسوس ۹ اور یاروں کے یار ہیں غماز
ہوگا انجام دیکھیے کیا کچھ ۱۰ ہے پُر آشوب جبکہ یہ آغاز
لَے ابھی تک کھُلی نہیں لیکن ۱۱ غیب سے آ رہی ہے کچھ آواز
وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر ۱۲ موج ہائل ہے اور ہوا ناساز
یا تھپیڑے ہول کے لے ابھرے ۱۳ یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز
کام اِسے اپنے سونپ دو حالی نہیں جس کا شریک اور انباز
ہے وہ مالک ڈبوئے خواہ ترائے ۱۵ چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذبِ رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
رکھتے ہیں عاصی کمندِ صیدِ غفران اپنے پاس
عاجزوں سے مقتدر کرتے ہیں اکثر در گذر
عجز اپنا ہے کلیدِ بابِ رضوان اپنے پاس
ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
عُذر خواہ اپنا ہے خود فرمانِ سُلطان اپنے پاس
بام بتلایا بلند اور نارسا بخشی کمند

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر　　اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز

بزمِ ماتم تو نہیں - بزمِ سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز　　ہم نے دیکھے بہت نشیب و فراز

عشق کی آنچ اُس میں پاتا ہوں　　دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گداز

شیخ! اللہ رے تیری عیاری　　کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز

اک پتے کی جو ہم نے کہدی آج　　رنگ واعظ کا کر گیا پرواز

ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری　　تو گئی بھول ہم کو خاکِ حجاز

آج منکر بھی ناچ اُٹھیں گے　　گر مغنی کی ہے یہی آواز

خیر ہے اے فلک کہ چار طرف　　قطعہ[1] چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز

رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا　۲　ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز

ہوتے جاتے ہیں زور مند ضعیف　۳　بنتے جاتے ہیں مبتذل ممتاز

چھپتے پھرتے ہیں کبک و تیہو سے　۴　گھونسلوں میں عقاب اور شہباز

ہے نہتوں کو رہگذر میں خطر　۵　رہزنوں نے کئے ہیں ہاتھ دراز

ٹڈیوں کا ہے کھیتیوں پہ ہجوم　۶　بھیڑیوں کے ہیں خوں میں تر لب آز

---

[1] یہ قطعہ اس وقت لکھا گیا تھا۔ جبکہ ٹرکی کو سلطان عبد العزیز خان کے قتل کے بعد سرویہ۔ مانٹینگرو اور روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صدمہ پہنچا ۱۲

موجزن دل میں ہیں یا خون کے دریائے چشم   دیکھنا اَبر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز

لے کے داغ آئیگا سینے پہ بہت اے سیاح   دیکھ اُس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

چپّے چپّے پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک   دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانا ہرگز

مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشاں بھی اب تو   اے فلک اِس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی انہیں بھول گئے   ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانا ہرگز

جس کو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں   نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز

ہم کو گر تو نے رُلایا تو رُلایا اے چرخ   ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز

یارِ خود رو میں گے کیا اپنے جہاں روتا ہے   اُن کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز

آخری دَور میں بھی تجھ کو قسم ہے ساقی   بھر کے اِک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز

بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے اے دورِ زماں   نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز

یاں سے رخصت ہو سویرے کہیں اے عیش و نشاط   نہیں اِس دور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمہارا دِلّی   ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز

شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہو گی یارو   یاد کر کر کے اُسے جی نہ کڑھانا ہرگز

غالبؔ و شیفتہؔ و نیرؔ و آزردہؔ و ذوقؔ   اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز

مومنؔ و علویؔ و صہبائیؔ و ممنونؔ کے بعد   شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز

کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو   ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانا ہرگز

داغؔ و مجروحؔ کو سُن لو کہ پھر اِس گلشن میں   نہ سُنے گا کوئی بُلبُل کا ترانہ ہرگز

یاں دے چکی جواب امید۔ جواب خط — واں نامہ بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز
پایا ہے ذوق و شوق میں عالم کو بھرا ہوا — کافر نے اختلاط بڑھایا نہیں ہنوز
کیا دل سے بعدِ مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد — بھولے ہیں کہ تجھکو بھلایا نہیں ہنوز
سرمایۂ خلافِ دو عالم ہے رازِ دل — باتوں میں ہم نے زہر ملایا نہیں ہنوز

کس نشہ میں ہے چور خدا جانے اِس قدر
حالی نے جام منھ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منھ میں نہ جانا ہرگز — دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
عشق بھی تاک میں بیٹھا ہے نظر بازوں کی — دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز
زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی — زد میں تیرِ صفِ مژگاں کی نہ جانا ہرگز
چاہت اِک طلعتِ مکروہ ہے برقع میں نہاں — کبھی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
ہاتھ ملنے نہ ہوں پیری میں اگر حسرت سے — تو جوانی میں نہ یہ روگ لگانا ہرگز
جتنے رستے تھے ترے ہو گئے ویراں اے عشق — آ کے ویرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز
کوچ سب کر گئے دِلّی سے ترے قدرشناس — قدر یاں رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز
تذکرہ دہلیِ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ — نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانا ہرگز
داستانِ گل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل — ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز
ڈھونڈتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب — دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئیں گی — کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

ڑ

گھر ہے وحشت خیز اور بستی اجاڑ
ہو گئی اک اک گھڑی تجھ بن پہاڑ

آج تک قصرِ امل ہے ناتمام
بندھ چکی ہے بارہا کھل کھل کے پاڑ

ہے پہونچنا اپنا چوٹی تک محال
اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ

کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار
پر نہیں زاہد کوئی ٹٹی کی آڑ

دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے
سو شبستاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ

عید اور نوروز ہے سب دل کے ساتھ
دل نہیں حاضر تو دنیا ہے اجاڑ

کھیت رستے پر ہے اور رہرو سوار
کشت ہے سرسبز اور نیچی ہے باڑ

بات واعظ کی کوئی پکڑی گئی
ان دنوں کمتر ہے کچھ ہم پر لتاڑ

تم نے حالی کھول کر ناحق زبان
کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

ز

عہدِ وصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز
عالم مری نظر میں سمایا نہیں ہنوز

پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز
جھونکا نسیم مصر کا آیا نہیں ہنوز

تھک جائے دل نہ منزلِ مقصود میں کہیں
ہم جس کو ڈھونڈھتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز

آیا نہ ہوگا اس کو تغافل میں کچھ مزا
ذوقِ نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز

ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا
اس نے نقاب رخ سے اٹھایا نہیں ہنوز

عیب کچھ گنتے نہیں اُس عیب کو | جس سے ہوں اپنے سوا سب بیخبر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں | کھینچکر لاتے ہیں اُس کو سوئے شر
بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو | عیب اُن کا ظاہر اور اپنا ہُنر
دوست اِک عالم کے پر مطلب کے دوست | ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کیوں
خواہش تحسین ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدر جان کی قربان کئے بغیر | دام اُٹھیں گے نہ جنس کے ارزاں کئے بغیر
گو ہو شفا سے یاس۔ پہ جبتک ہے دم میں دم | بن آئے گی نہ درد کا درماں کئے بغیر
بگڑی ہوئی بہت ہے کچھ اس باغ کی ہوا | یہ باغ کو رہے گی نہ ویراں کئے بغیر
آمادہ دہر۔ پردہ دری پر ہے قوم کی | مبہوص کو رہے گا نہ عریاں کئے بغیر
عزت ہے اپنی یاروں کو کچھ آپڑی ہے ضد | چھوڑینگے نیم جان کو بیجاں کئے بغیر
مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام | مشکل کو ہم ٹلیں گے نہ آساں کئے بغیر
گو مے ہے تند و تلخ۔ پہ ساقی ہے دلربا | اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کئے بغیر
تکفیر جو کہ کرتے ہیں ابنائے وقت کی | چھوڑے گا وقت اِنہیں نہ مسلماں کئے بغیر

حالی کٹے گا کاٹنے ہی سے یہ بیستوں
حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کئے بغیر

رہرو و باخبر رہو کہ گمان
رہزنی کا ہے رہنماؤں پر

ہے وہ دیر آشنا تو عیب ہے کیا
مرتے ہیں انہیں اداؤں پر

اس کے کوچہ میں ہیں جو بے پر و بال
اُڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر

شہسواروں پہ بند ہے جو راہ
وقف ہے یا برہنہ پاؤں پر

نہیں منعم کو اس کی بوند نصیب
مینہ برستا ہے جو گداؤں پر

نہیں محدود بخششیں تیری
زاہدوں پر نہ پارساؤں پر

حق سے درخواست عفو کی حالی
کیجئے کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر
ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر

جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار
عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر

دوست اس کے ہیں نہ اس کے آشنا
گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر

خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم
گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نر

اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین
کرتے ہیں نفرت بدی سے جس قدر

کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب
کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر

گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم
کرتے ہیں رسوا اسے دل کھول کر

کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی
شکر کے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر

ایک بخشش میں بھلا دیتے ہیں سب
ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احساں اگر

قربِ حق کے لئے کچھ سوزِ نہاں بھی ہے ضرور — خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد

میں تو سو بار ملوں دل نہیں ملتا تم سے — تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد

جال جب تک ہے یہ پھیلا ہوا دینداری کا — فکرِ دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد

عیب حالی کے بہت آج کئے تو نے بیان
ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد

ذ

پیاس تیری مجھے ساغر سے لذیذ — بلکہ جامِ آبِ کوثر سے لذیذ

جس کا تو قاتل ہو پھر اُس کے لئے — کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ

لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب — ہم کو ہے سب شہد و شکر سے لذیذ

قند سے شیریں تری پہلی نگاہ — دوسری قندِ مکرر سے لذیذ

چھاچھ میں جب بھوک کی کھلے نہ تو — بھوک ہے وہ شیرِ مادر سے لذیذ

ہے یہ تجھ میں کس کی بو بادِ صبا — مجھے ہے بو مشک و عنبر سے لذیذ

جو قناعت کے ہیں حالی میہمان
اُن کو فاقے ہیں مزعفر سے لذیذ

ر

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پہ — وہی اصرار ہے خطاؤں پہ

رہیں نا آشنا زمانہ سے — حق ہے تیرا یہ آشناؤں پہ

وہ ڈوبتوں سے الگ رہتے ہیں جو ہیں تیراک ۲ شناوری کا یہی گر ہے۔ مرحبا اے شیخ
گو زن و گور ہیں بچپن سے تارکِ دُنیا نہایت آپ کی ہے۔ اُنکی ابتدا اے شیخ
کمالِ حُسنِ عقیدت سے آیا تھا حالی یہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ

د

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد اب خوف کے سوا ہے دھرا کیا رجا کے بعد
ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد
تعزیر جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد
گر دردِ دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد
یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اسکی یاد آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد
کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
آخر کو ماننا پڑا اسے نفس خیرہ سر تیرا بھی حکم کم نہیں حکمِ قضا کے بعد
مُدت سے تھی دُعا کہ ہوں بدنام شہر شہر یا رب ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سُن لو اور صدائیں جگر خراش
دلکش صدا سنو گے نہ پھر اِس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہے رجا اے زاہد تیرا قبلہ ہے خدا میرا خدا اے زاہد
در گذر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے تو ترا اُجر کوئی ہوگا خدا اے زاہد
ہم دکھا دینگے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور کچھ بہت دور نہیں روزِ جزا اے زاہد

آس کیفیت کے پینے کی انہیں ہو یا نہ ہو
ہیں اُسے پانی دیئے جاتے کسانوں کی طرح

اُن کے غصّے میں ہے دلسوزی ملامت میں ہے پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

کام سے کام اپنے اُن کو - گو ہو عالم نکتہ چین
سہتے ہیں بتّیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

طعن سُن سُن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
دِن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کیجیے کیا حالی - نہ کیجیے سادگی گر اختیار
بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

خ

مئے مغاں کا ہے چسکا اگر بڑا اے شیخ — تو ایسی ہی کوئی چاٹ اور دے لگا اے شیخ
ریا کو صدق سے ہے جامِ مے بدل دیتا — تمہیں بھی ہے کوئی یاد ایسی کیمیا اے شیخ
وہ نکلے بھان متی جو بناتے تھے اکسیر — تماشے دیکھتے ہیں یہ ہم نے بارہا اے شیخ
غرورِ فقر و غرورِ غنا میں فرق ہے کیا — تجھی پہ رکھتے ہیں ہم منحصر بتا اے شیخ
زبان پہ ہوتی ہے مُہر اُن کی جو ہیں محرمِ راز — پھر ایسا کیجیو ہرگز نہ ادّعا اے شیخ
خبر بھی ہے تمہیں؟ کیا بن رہی ہے بیڑے پر — ہیں آپ جون سی بیڑے کے ناخدا اے شیخ

گو کہ حالی اگلے اُستادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے مُلک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

ح

کاٹیئے دِن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح
منزلِ دُنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں مہماں سرا میں میہمانوں کی طرح
سعی سے اُکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح
رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح
شادمانی پر گذرتے اپنے آپے سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح
رکھتے ہیں تمکین جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح
پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہیں ایک اِک کا یگانوں کی طرح

ہیچ

بزمِ مے اچھی ہے۔ گو دُنیا ہے اے میخوار، ہیچ
یاں سمجھ لیتے تو ہیں دُنیا کو دم بھر یار، ہیچ

نفس سے سر بر ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش
ایک دشمن پر سر کیں ہو تو ہیں سب یار، ہیچ

شیخ! جو مخلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز
ہے یہ سب اونچی دکان اور رونق بازار، ہیچ

شاہدِ معنیٰ کو آرائش کی کچھ حاجت نہیں
سبحہ و سجادہ، ہیچ اور جبہ و دستار، ہیچ

ہو گر جتنے جس قدر اُتنے برستے تم نہیں
اے فصیحو ہے یہ سب گفتار بے کردار، ہیچ

روئی تو آٹھ آٹھ آنسو اور پسیجا دل نہ ایک
نکلے موتی تیرے سب اے چشم گوہر بار، ہیچ

خوانِ نعمت نے ترے اے عاملِ مردار خوار
کر دیئے آفاق کے سب خوان و خوان سالار، ہیچ

ہے ادب مسند پہ جو کچھ ہے رئیس شہر کا
ہٹ کے مسند سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار، ہیچ

چپ پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ — بات بگڑی بنی بنائی آج
شکوہ کرنے کی خو نہ تھی اپنی — پر طبیعت ہی کچھ بھر آئی آج
بزم ساقی نے دی الٹ ساری — خوب بھر بھر کے خم لنڈھائی آج
معصیت پہ ہے دیر سے یارب ۱ قطعہ — نفس اور شرع میں لڑائی آج
غالب آتا ہے نفس دوں یا شرع ۲ — دیکھنی ہے تیری خدائی آج
چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو — نیند پھر رات بھر نہ آئی آج
کل یہاں کاروبار ہیں سب بند — کرلو کرنی ہے جو کمائی آج

زد سے الفت کی بچکے چلنا تھا
مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوران کے ہیں سب شکوہ سنج — یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج
رنج و شادی یاں کے ہیں سب بے ثبات — اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
تھا قناعت میں نہاں گنج فراغ — پر ہمیں بے وقت ہاتھ آیا یہ رنج
ذکر و سن بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ — ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے پنج
ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا — جب کبھی جیتے تھے ہم اے بذلہ سنج
آگئی مرگ طبیعی ہم کو یاد — شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج

راہ اب سیدھی ہے حالی سوئے دوست
ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج

ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ　　کریں میراث سے حذر وارث
خاک و کرمانِ گور و خویش و تبار　　ایک میت اور اس قدر وارث
واعظو دین کا خدا حافظ　　انبیا کے ہو تم اگر وارث
قوم بے پر ہے دین بیکس ہے　　گئے اسلام کے کدھر وارث
ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھو کے حریف　　جیسے مردہ کے مال پر وارث

ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
کیوں ہیں میت پہ نوحہ گر وارث

بس واعظ اپنا کھلو یا عبث　　دل جلوں کو تو نے گرمایا عبث
جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی　　رات بھر یاروں کو سُلوایا عبث
شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز　　سب کو ملزم تو نے ٹھہرایا عبث
کوئی پنچھی آ کے اب پھنستا نہیں　　آپ نے جال اپنا پھیلایا عبث
آ نکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم　　تو نے زاہد ہم کو شرمایا عبث
کھیتیاں جلکر ہوئیں یار و تباہ　　ابر ہے گھر کر ادھر آیا عبث

قوم کا حالی پنپنا ہے محال
تم نے رو رو رب کو رلوایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج　　بول کر ہم نے مُنھ کی کھائی آج

سمجھ کر کرو قتل حالی کو دیکھو
مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

ٹ

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اُچاٹ — دِل کو یہ کیسی لگادی تو نے چاٹ
بج رہی ہے کان میں یاں سے تا — اور مغنی نے کئی بدلے ہیں ٹھاٹ
ناؤ ہے بوسیدہ اور موجیں ہیں سخت — اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ
اِک کہانی پیرزن کی رہ گئی — راج کسریٰ کا رہا باقی نہ پاٹ
دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں — ہے مگر یاں جی کچھ اے زاہد اچاٹ
جو کہے تجھکو بتادیں اے امیر — ہیں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
ملتیں رستوں کے ہیں سب ہیر پھیر — سب جہازوں کا ہے لنگر ایک گھاٹ
برق منڈلاتی ہے اب کس چیز پر — ٹڈیاں کب کی گئیں کھیتی کو چاٹ
تیغ میں بُرش یہ اے حالی نہیں — جس قدر تیری زبان کرتی ہے کاٹ
چٹکیاں ہی دل میں یہ لیتا ہے کون — شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے سپاٹ

ث

باپ کا ہے جبھی پسر وارث — ہو ہنر کا بھی اُس کے گر وارث
گھر ہنرور کا ناخلف نے لیا — تیرا ہے کون اے ہنر وارث
فاتحہ ہو کہاں سے میت کی — لے گئے ڈھو کے سیم و زر وارث

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار　　اِک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھئے شیخ مصوّر سے کھنچے یا نہ کھنچے　　صورت۔ اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

واعظو آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے　　یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

کیا خبر زاہدِ قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص　　اُس نے دیکھی ہی نہیں کیسۂ زر کی صورت

میں بچا تیرِ حوادث سے نشانہ بن کر　　آڑے آئی مرے۔ تسلیم سپر کی صورت

شوق میں اُس کے مزا۔ درد میں اُس کے لذت　　ناصحو اِس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

حملہ اپنے پہ بھی اِک بعدِ ہزیمت ہے ضرور　　رہ گئی ہے یہی اِک فتح و ظفر کی صورت

رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا　　راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار　　پر ڈرانی ہے بہت آج بھنور کی صورت

اُن کو حالی بھی بُلاتے ہیں گھر اپنے مہمان
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت　　یہ چھپتی نہیں سرگرانی کی صورت

جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا بیکل　　وہ ہے اور ہی مہربانی کی صورت

شبِ وعدہ ہے بارِ عام اُن کے دل پر　　مرے حق میں اِک پاسبانی کی صورت

غمِ دل نے رسوا کیا ہم کو آخر　　بنائی بہت شادمانی کی صورت

ہے اِس ریش پر وسمہ کیا خوب کھلتا　　ذرا دیکھنا شیخِ فانی کی صورت

یقین ہے کہ ہم جس کو سمجھے ہیں مرنا　　یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

ت

گو جوانی میں تھی کج رائی بہت
پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت

زیرِ برقع تو نے کیا دکھلا دیا
جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت

ہٹ پہ اس کی اور پس جاتے ہیں دل
راس ہے کچھ اس کو خود رائی بہت

سرو یا گل آنکھ میں جچتے نہیں
دل پہ ہے نقش اسکی رعنائی بہت

چور تھا زخموں میں اور کہتا تھا حرؑ
راحت اس تکلیف میں پائی بہت

آ رہی ہے چاہِ یوسفؑ سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے
مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

جاں نثاری پر وہ بول اٹھے مری
ہیں فدائی کم تماشائی بہت

ہم نے ہر ادنےٰ کو اعلےٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

کر دیا چپ واقعاتِ دہر نے
تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت

گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی؟
یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

اس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت

ہے غمِ روزِ جدائی نہ نشاطِ شبِ وصل
ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت

جس دل کو قیدِ ہستیِ دُنیا سے ننگ تھا — وہ دل اسیرِ حلقۂ زلفِ بتاں ہے اب
آنے لگا جب اُس کی تمنّا میں کچھ مزا — کہتے ہیں تنگ جان کا اِس میں زیاں ہے اب
لغزش نہ ہو. بلا ہے حسینوں کا التفات — اے دل سنبھل وہ دشمنِ دیں مہرباں ہے اب
اِک جرعۂ شراب نے سب کچھ بھلا دیا — ہم ہیں اور آستانۂ پیرِ مغاں ہے اب
ہے وقتِ نزع اور وہ آیا نہیں ہنوز — ہاں جاذبِ دل مدد کہ دمِ امتحاں ہے اب
ہے دل غمِ جہاں سے سبکدوش اندنوں — سر پڑتا سو جھتا کوئی بارِ گراں ہے اب

حالی تم اور ملازمتِ پیرِ مے فروش
وہ علم و دین کدھر ہے وہ تقویٰ کہاں ہے اب

پ

یہ ہیں واعظ. سب پہ منھ آتے ہیں آپ — ناصحِ قوم اِس پہ کہلاتے ہیں آپ
بس بہت طعن و ملامت کر چکے — کیوں زبان رندوں کی کھلواتے ہیں آپ
ہے صراحی میں وہی لذّت کہ جو — چڑھ کے ممبر پر مزا پاتے ہیں آپ
واعظو ہے اُن کو شرمانا گناہ — جو گنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ
کرتے ہیں اِک اِک کی تکفیر آپ کیوں!؟ — اِس پہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ
کرتے ہیں آباد دوزخ کو حضور — خلد کو ویران کرواتے ہیں آپ

چھیڑ کر واعظ کو حالی خلد سے
بستر اکیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ

ہر سمت گرد ناقۂ لیلےٰ بلند ہے
پہنچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا

غربت کے شغلوں نے وطن کو بھلا دیا
خانہ خراب خاطرِ اُلفت شعار کا

حالی بس اب یقین ہے دلّی کے ہو رہنے
ہے ذرّہ ذرّہ مہر فزا اس دیار کا

ب

درد دل کو دوا سے کیا مطلب
کیمیا کو طلا سے کیا مطلب

چشمۂ زندگی ہے ذکر جمیل
خضر و آب بقا سے کیا مطلب

بادشاہی ہے نفس کی تسخیر
ظلّ بالِ ہما سے کیا مطلب

جو کرینگے بھرینگے خود ۔ واعظ
تم کو میری خطا سے کیا مطلب

جن کے معبود حور و غلمان ہیں
ان کو زاہد خدا سے کیا مطلب

کام ہے مردمی سے انسان کی
قطعہ
زہد یا اتقا سے کیا مطلب

ہے اگر ۔ دامن آلودہ
۲
ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب

صوفی شہر با صفا ہے اگر
۳
ہو ۔ ہماری بلا سے کیا مطلب

نکہتِ مے پہ غش ہیں جو حالی
۴
اُن کو ورد و صفا سے کیا مطلب

مجھ میں وہ تاب ضبط شکایت کہاں ہے اب
چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی منھ میں زبان ہے اب

وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبط راز تھا
چہرے سے اپنے شورش پنہاں عیاں ہے اب

دکھانا پڑے گا مجھے زخم دل — اگر تیر اس کا خطا ہو گیا

سبب ہو نہ ہو لب پہ آتا ضرور — مرا شکر اس کا گلہ ہو گیا

وہ اُمید کیا جس کی ہو انتہا — وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا

ہوا رُکتے رُکتے دم آخر فنا — مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا

نہیں بھولتا اُسکی رُخصت کا وقت — وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد — ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا

سمجھتے تھے جس غم کو ہم جانگزا — وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا

نہ دے میری اُمید مجکو جواب — رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعار حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

سنگِ گراں ہے راہ میں تمکینِ یار کا — اب دیکھنا ہے زورِ دلِ بے قرار کا

اِک خو سی ہو گئی ہے تحمّل کی ورنہ اب — وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا

آؤ مٹا بھی دو خلشِ آرزوئے قتل — کیا اعتبار زندگیِ مستعار کا

ہم خوش کبھی ہوئے ہوں تو غم ناگوار ہو — ملتا نہیں محل گلۂ روزگار کا

سمجھو مجھے اگر تمہیں ہے آدمی کی قدر — میرا اِک التفات نہ مرنا ہزار کا

گر صبح تک وفا نہ ہوا وعدۂ وصال — سُن لیں گے وہ مآل شبِ انتظار کا

اب محوِ بوئے گل پہ ہوا کب دلِ حزیں — ہم کو چمن سے یاد ہے جانا بہار کا

روز وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا　　کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا

بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر　　پھر نمازِ نعش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادمان

تھا حوصلہ اُسی کا کہ اتنا صبور تھا

ق　دِل سے خیالِ دوست بھلایا نہ جائے گا　　سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا

تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط　　اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا

اے دِل رضائے غیر ہے شرطِ رضائے دوست　　زنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائے گا

دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں　　اب ہم سے مُنہ میں موت کو جایا نہ جائے گا

مے تند و ظرفِ حوصلۂ اہلِ بزم تنگ　　ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا

راضی ہیں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی مگر　　دشمن کو ہم سے دوست بنایا نہ جائے گا

کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے　　پوچھیں گے ہم سبب تو بتایا نہ جائے گا

بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ　　ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا

مِلنا ہے آپ سے تو نہیں حصر غیر پہ　　کِس کِس سے اختلاط بڑھایا نہ جائے گا

مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اِس قدر　　یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں جو پایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہلِ دیں کے نہ حالی پڑیں بس آپ

قصّہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

ق　قلق اور دل میں سوا ہو گیا　　دلاسا تمہارا بلا ہو گیا

اُس سے ناداں ہی بن کر ملیئے
کچھ اجارا نہیں دانائی کا

سات پردوں میں نہیں ٹھہرتی آنکھ
حوصلہ کیا ہے تماشائی کا

درمیاں پاے نظر ہے جب تک
ہم کو دعویٰ نہیں بینائی کا

کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا

اُس کو چھوڑا تو ہے لیکن اے دل
مجکو ڈر ہے تری خود رائی کا

بزم دشمن میں نہ جی سے اُترا
پوچھنا کیا تری زیبائی کا

یہی انجام تھا اے فصلِ خزاں؟
گل و بلبل کی شناسائی کا

مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں
ہو چکا کام توانائی کا

محتسب عذر بہت ہیں لیکن
اذن ہم کو نہیں گویائی کا

ہوں گے حالی سے بہت آوارہ
گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

ق

اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا
رو رو کے ہم کو اور رلانا ضرور تھا

تھی ہر نظر نہ محرمِ دیدار ورنہ یاں
ہر خار نخلِ ایمن و ہر سنگ طور تھا

درد آ کے لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز
چرچا ہمارے عشق کا نزدیک دور تھا

جانی نہ قدر رحمتِ حق پارسا نے کچھ
ٹھہرا قصوروار اگر بے قصور تھا

دردی کشانِ بزمِ مغاں کا نہ پوچھ حال
ایک ایک رند نشۂ وحدت میں چور تھا

اب باریابِ انجمن عام بھی نہیں
وہ دل کہ خاص محرمِ بزمِ حضور تھا

کل حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ
سنتے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

ق

پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا — تھا حسن میزبان کوئی میہمان نہ تھا
ہم کو بہار میں بھی سر گلستاں نہ تھا — یعنی خزاں سے پہلے ہی دل شادماں نہ تھا
ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام — گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہ تھا
کیا جانتے تھے جائے گا جی اک نگاہ میں — تھی دل کی احتیاط مگر بیم جان نہ تھا
سچ ہے کہ پاس خاطر نازک عذاب ہے — تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہرباں نہ تھا
کچھ میری بیخودی سے تمہارا زیاں نہیں — تم جانتا کہ بزم میں اک خستہ جان نہ تھا
رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیے جواب — مجھکو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا
رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں — طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دل میں چبھ گئی — مانا کہ اُس کے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا

بزم سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہار
شب انجمن میں حالی جادو بیاں نہ تھا

ن

رنج اور رنج بھی تنہائی کا — وقت پہنچا مری رسوائی کا
عمر شاید نہ کرے آج وفا — کاٹنا ہے شب تنہائی کا
تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا — کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
ایک دن راہ پہ جا پہنچے ہم — شوق تھا بادیہ پیمائی کا

راحت کا جہاں میں یونہیں اک نام ہے گویا
راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا

کچھ کرتے ہیں جو یاں وہی انگشت نما ہیں
بدنام ہی دنیا میں نکو نام ہے گویا

ناچیز ہیں وہ کام نہیں جن پہ کچھ الزام
جو کام ہیں اُن کا یہی انعام ہے گویا

ہے وقت رحیل اور وہی عشرت کے ہیں سامان
آخر ہوئی رات اور ابھی یاں شام ہے گویا

اُٹھا تھا کچھ اوّل ہی سے یہ درد بُری طرح
آغاز ہی اُلفت کا بس انجام ہے گویا

ادبار بھی دیکھو گے جہاں پاؤ گے اسلام
اِسلام کا ادبار بھی اِک نام ہے گویا

جب دیکھئے حالی کو پڑا پایئے بیکار
کرنا اُسے باقی یہی اِک کام ہے گویا

خلوت میں تری صوفی گر نور صفا ہوتا
تو سب میں ملا رہتا اور سب سے جُدا ہوتا

تھا آفتِ جاں اِس کا انداز کمانداری
ہم بچ کے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا

کچھ اپنی حقیقت کی گر تجھکو خبر ہوتی
میری طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا

یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سنا قاصد
اَن پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا

باتوں میں شکایت کی بو آتی ہے اُلفت کی
گر دل میں جگہ ہوتی لب پر بھی گلا ہوتا

ہم روز وداع اُس سے ہنس ہنس کے ہوئے رخصت
رونا تھا بہت ہم کو روتے بھی تو کیا ہوتا

ق

گر صاحبِ دل ہوتے سن کر مری بیتابی
تم کو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا

جو دل پہ گذرتی ہے کیا تجھکو خبر ناصح
کچھ ہم سے سُنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

جو جان سے درگذرے وہ چاہے سو کر گذرے
گر آج نہ تم آتے کیا جانیئے کیا ہوتا

مان لیجے شیخ جو دعویٰ کرے — اک بزرگِ دین کو ہم جھٹلائیں کیا

ہو چکے حالیؔ غزل خوانی کے دن

راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا — اک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا

کر دیا اس نے تو اللہ سے غافل ناصح! — اس کو کیوں بھولتے گر اس کو بھلایا جاتا

چپ چپاتے اسے دے آئے دل اک بات پہ ہم — مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

شب کو زاہد سے نہ مڈبھیڑ ہوئی خوب ہوا — نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا

دل کو یہ تو نے دکھایا ہے کہ دکھ جاتا ہے — چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا

نامہ بر آج بھی خط لے کے نہ آیا یارو — تم تو کہتے ہو کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا

عشق اُس وقت سے سر پر ترے منڈلاتا تھا — گودیوں میں تجھے تھا جبکہ کھلایا جاتا

لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ — اس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا

بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اے دنیا — ہم سے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا

کرتے کیا پیتے اگر مے نہ عشا سے تا صبح — وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوایا جاتا

دل نہ طاعت میں لگا جب تو لگایا غمِ عشق — کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا

اس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا — بھڑک اٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید — خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالیؔ — کہتے پہلے سے تو دے لے کے ہٹایا جاتا

واعظ آتا ہے تو آنے دو اُسے ۱ قطعہ پر ہوا آنے کا یاں کیا پائے گا
آئے گا اور ہم کو شرمائیگا مفت ۲ اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم ۳ ہم پہ مُنھ آئیگا مُنھ کی کھائے گا
دِل کے تیور ہی کہو دیتے تھے صاف رنگ یہ دیوانہ اِک دن لائے گا
باغ و صحرا میں ہے جو تنگ دل جی قفس میں اُس کا کیا گھبرائے گا
رنگ گردوں کل سے کچھ بدلا ہوا ۱ قطعہ شعبدہ تازہ کوئی دکھلائے گا
ابر و برق آئے ہیں دونوں ساتھ ساتھ ۲ دیکھیے برسے[1] گا یا برسائے گا

مشکلوں کی جس کو ہے حالی خبر
مشکلیں آسان وہی فرمائے گا

واں اگر جائیں تو لے کر جائیں کیا مُنھ اُسے ہم جا کے دکھلائیں کیا
دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ پھر کئے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا
آؤ اُس کو لیں ہمیں جا کر منا اُس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا
دِل کو مسجد سے نہ مندر سے ہی اُنس ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا
جانتا دُنیا کو ہے اِک کھیل تو کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا
عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی مرحلے اب دیکھئے پیش آئیں کیا
دِل کی سب باتوں کی ہے ناصح خبر سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

---

[1] برسنا۔ غصہ ظاہر کرنا ۱۲

بہت یاں ٹھوکریں کھائی ہیں ہمنے ۲ بس اب دُنیا کو ٹھکرانا پڑے گا
نہیں بُو انس کی اس غمکدے میں ۳ کہیں دل جاکے بہلانا پڑے گا
دِل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے ۴ ہمیں یاروں سے شرمانا پڑے گا
زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو پچھتانا پڑے گا
جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فسخ فرمانا پڑے گا

بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جبتک
اُسے دُنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا | یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا
عزیزو کہاں تک یہ آتش مزاجی | تمہیں جلد تر خاک ہونا پڑے گا
رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کا | بس اب دل سے شکووں کو دھونا پڑے گا
بن آئیگی ہرگز نہ یاں کچھ کئے بن | جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تک اے ابر کرم ترسائے گا | مینھ بھی رحمت کا کبھی برسائے گا
پھل کچھ اے نخل وفا تجھ میں نہیں | جو لگائے گا تجھے پچھتائے گا
دوست کا آیا ہے سمجھو اب پیام | آج اگر آیا نہیں کل آئے گا
ذوق سب جاتے رہے جز ذوق درد | اک یہ لپکا دیکھئے کب جائے گا

حق نے احسان میں نہ کی اور میں نے کفران میں کمی — وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا

چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی — چھپکے چھپکے نفس خائن کا کہا کرتا رہا

طاعتوں کی زد سے بچ بچ کر چلا راہ خطا — وار اُن کا اس لئے اکثر خطا کرتا رہا

نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی — اس کو حیلے دل سے گھڑ گھڑ کر روا کرتا رہا

مُنہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہیں — اُن سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا

تھا نہ استحقاق تحسین پر سُنی تحسین سدا — حق ہے جو دون ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا

شہرت اپنی جس قدر بڑھتی گئی آفاق میں — کبر نفس اتنا ہی یاں نشو و نما کرتا رہا

ایک عالم سے وفا کی تو نے اے حالی مگر
نفس پر اپنے سدا ظالم جفا کرتا رہا

کہیں الہام منوانا پڑے گا ۱ — کہیں کشف اپنا جتلانا پڑے گا

نہ ہو صوفی صفا گو تجھ میں لیکن ۲ — کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا

نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد — یہ گُر ناصح کو بتلانا پڑے گا

جنہیں ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا — انہیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا

عوام الناس کا ہوگا جنہیں مُنہ — انہیں خاصوں پہ مُنہ آنا پڑے گا

رہے وصف جناں کی مشق واعظ — تمہیں بچوں کو پھسلانا پڑے گا

سخن میں پیروی کی گر سلف کی — انہیں باتوں کو دُہرانا پڑے گا

تعلق کا ہے پھندا پیچ در پیچ — یہ عقدہ ہم کو سلجھانا پڑے گا

بیگانہ وش ہے گروہ تو ہے ہمارے ڈھب کا ایسوں ہی سے بنا ہے یارانہ اکثر اپنا
عصمت پہ اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی کر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاک محضر اپنا
کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

غیروں کو لیں گے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
اپنوں ہی سے ہے حالی کچھ دل مکدر اپنا

معنی کا تم نے حالی دریا اگر بہایا یہ تو بتاؤ حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا
اے بانگ طبل شاہی دن ہو گیا جب آخر خواب گراں سے تو نے ناحق ہمیں جگایا
تھا ہوش یاد گل کا دورِ خزاں میں کس کو اے عندلیب نالاں یہ تو نے گل کھلایا
ویران ہے باغ تس پر پھولی نہیں سماتی مژدہ صبا نے یارب بلبل کو کیا سنایا
اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دین کا گمرہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا
ڈرتے رہیں گے اب ہم بے جرم بھی سزا سے احسان اس کا جس نے ناحق ہمیں ستایا
واعظ کی حجتوں سے قائل تو ہو گئے ہم کوئی جواب شافی پر اس سے بن نہ آیا
آیا نہ تھا کبھی یاں گویا قدم خزاں کا دو دن میں یوں پلٹ دی کس نے چمن کی کایا
تقلید قوم ہی پر گر ہے مدار تحسین تو ہم نے دوستوں کی تحسین سے ہاتھ اٹھایا

دیکھا تو کچھ نظر میں حالی جچا نہ اپنی
جو جو گمان تھے ہم کو انکا نشان نہ پایا

نفس دعوی بے گناہی کا سدا کرتا رہا گرچہ اُترے جی سے دل اکثر ابا کرتا رہا

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی۔ نہ جاننا اُس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصوّر اپنا نہ کیجیے گا

سُنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعوےٰ
یہ کہہ دو۔ دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجیے گا

اسی میں ہے خیر حضرتِ دل کہ یار بھُولا ہُوا ہے ہم کو
کرے وہ یاد۔ اِس کی بھُول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجیے گا

کہے اگر کوئی تم کو واعظ! کہ کہتے کچھ اور کرتے ہو کچھ
زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اِس کی پروا نہ کیجیے گا

کمال ہے ضدّ بے کمالی۔ نہیں ملاپ اِن میں حرف گیرو!
جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجیے گا تو آپ بیجا نہ کیجیے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ دردِ اُلفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترکِ دُنیا نہ کیجیے گا

تمہارا تھا دوست۔ ارحالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو
سلوک اِس سے کئے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجیے گا

ہو عزم دیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا — آتا ہے دُور ہی سے ہم کو نظر گھر اپنا
قید خرد میں رہتے آتے نہیں نظر ہم — وحشت رہے گی دِل کی دکھلا کے جوہر اپنا
پیر مغاں سے ہو کر تب سرخرو ملیں گے — فضل و ہُنر کا ہوگا جب چاک محضر اپنا

رستے میں گر نہ ٹھہرے تو تم بھی جا ملوگے　　گذرا ابھی ہے یاں سے خیل و حشم تمہارا
پھرتے اِدھر اُدھر ہو کس کی تلاش میں تم　　گم ہے تمہیں میں یارو باغِ ارم تمہارا

جادو رقم تو مانیں ہم دل سے تم کو حالی
کچھ کر کے بھی دکھائے زورِ قلم تمہارا

وہ دِل ہے شگفتہ نہ وہ بازو ہیں توانا　　پہنچا ہے بس اب کوچ کا تم سمجھو زمانا
خود گھر وطن سے ہے وداع اب کے سفر میں　　جانا ہے وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا
دِلّی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دِل سیر　　گویا نہ رہا اب کہیں دُنیا میں ٹھکانا
یارب طلب وصل ہو یا ہو طربِ وصل　　جس دِن کہ یہ دونوں نہ ہوں وہ دِن نہ دکھانا
دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرماں　　چھل بل میں تم اِس زال فسونگر کی نہ آنا
افسوس کہ غفلت میں کٹا عہدِ جوانی　　تھا آبِ بقا گھر میں مگر ہم نے نہ مانا
یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں ہوتی　　اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سنانا
دُنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن　　وہ دِن ہے کہ جس دن ہے اِسے چھوڑ کے جانا
لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت　　فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا

ڈھارس سی کچھ اے ہمقدمو تم سے بندھی ہے
حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجئے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اِس کا چرچا نہ کیجئے گا

توفیق نے ہمیشہ لی تمنت پر خبر یاں
جب ناؤ ڈگمگائی پاس آ گیا کنارا

انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے
جتنے ہنر تھے اپنے عالم میں آشکارا

افسوس۔ اہل دیں بھی مانند اہل دنیا
خود کام و خود نما ہیں خود بیں ہیں اور خود آرا

امت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر
اسلام ہے فقیہو! ممنوں بہت تمہارا

کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہوئے چپ
سب کچھ کہا انہوں نے پر ہم نے دم نہ مارا

حالی سے کام ہے یاں فعلوں سے اسکے کیا کام
اچھا ہے یا برا ہے پھر یار ہے ہمارا

رونا نہ ہوگا خالی شاید یہ کم تمہارا
جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہے نم تمہارا

الفت میں دم بدم کچھ لذت سی بڑھتی جاتی
چھوڑیگا کھا کے شاید عاشق کو غم تمہارا

عاقل ہیں شہر میں کم نادان بہت ہیں واعظ
ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمہارا

دلجو نہیں کوئی یاں حیف اے صنم پرستو
دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمہارا

گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤگے تم
اپنی نظر میں ہوگا گر وزن کم تمہارا

دشت طلب کے رستو طے ہوگئے کس طرح تم
آتا نہیں سمجھ میں کچھ پیچ و خم تمہارا

دو بینواؤں کو بھی کچھ جم کے جانشینو
بس جام جم ہمارا اور ملک جم تمہارا

روسی ہوں یا تتاری ہم کو ستائیں گے کیا
دیکھا ہے ہم نے برسوں لطف و کرم تمہارا

کھولی ہیں تم نے آنکھیں اے حادثو ہماری
احسان یہ نہ ہرگز بھولیں گے ہم تمہارا

ہوتے ہی تم تو بیدل کچھ رو دیئے سوارو
ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اک قدم تمہارا

رایوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے   گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقویٰ   جو گنج تو نے تاکا اس کو لُٹا کے چھوڑا
جس رہ گذر میں بیٹھا تو غول راہ بن کر   صنعاں سے راست رو کو رستے بھلا کے چھوڑا
فرہاد کوہکن کی لی تو نے جان شیریں   اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا
یعقوب سے بشر کو دی تو نے ناصبوری   یوسف سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا
لاگ اور لگاؤ دونو ہیں دلگداز تیرے   پتھر کے دل تھے جن کے ان کو رُلا کے چھوڑا
عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپقلش جو ٹھانی   عقل و خرد کا تو نے خاکا اُڑا کے چھوڑا
علم و ادب رہے ہیں دبلے ترے ہمیشہ   ہر معرکہ میں تو نے ان کو دلا[1] کے چھوڑا
افسانہ تیرا رنگیں روداد تیری دلکش   شعر و سخن کا تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اِک دسترس سے تیری حالیؔ بچا ہوا تھا
اُس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید کیجو ہم سے نہ تو کنارا   تیرا ہی رہ گیا ہے لے دے کے اک سہارا
یوں بے سبب زمانہ پھرتا نہیں کسی سے   اے آسمان کچھ اس میں تیرا بھی ہے اشارا
میخانہ کی خرابی جی دیکھ کر بھر آیا   مدت کے بعد کل واں جا نکلے تھے قضارا
اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے   اے زاہدو تمہارا ہے اس میں کیا اجارا
دنیا کے خرخشوں سے چیخ اٹھتے تھے ہم اول   آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا

---

[1] دلانا - کشتی دلانا - یعنی پچھاڑنا - اکثر کشتی کا لفظ حذف کر کے صرف دلانا بولتے ہیں ۱۲

دیر[1] ہوئے بے چراغ اور صلوات یہود — شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہبا
بجھ گئے آتشکدے بیٹھ گئے بتکدے — ہوگئے تثلیث مات اور ثنویت[2] فنا
اُٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون میں گھانس — مزبلہ پر چند روز باقی ہے نشو و نما
غیرتِ حق نے مگر جلد لیا انتقام — رل گئے اُکھڑ اُکھڑ کے سب خاک میں اہلِ ہوا
رہ گیا نام سجاح[3] کذب میں ضرب المثل — اسود و ابن کثیر خوار ہوئے برملا
سلسلۂ انبیا ختم نہ ہوتا اگر — حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اُٹھا
آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنوئیں سے نکال — جس کو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیا
بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ — بیچ چکا تیرے ہاتھ ملتِ بیضا خدا

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام ربِ سموات سے
روز و شب و صبح و شام تسعمال و حصے

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا — جس گھر سے سر اُٹھایا اُس کو بٹھا کے چھوڑا
ابرار تجھ سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں — جو زد پہ تیری آیا اُس کو گرا کے چھوڑا

---

[1] دیر - راہبوں کا کلیسا - صلوات - یہودیوں کا کلیسا یہ باغبانا چیز ۱۲ +

[2] مجوسی جو دو خدا ایک خالق خیر اور ایک خالق شر یعنی یزدان اور اہرمن کو مانتے ہیں۔ اِس عقیدے کو ثنویت کہتے ہیں ۱۲ +

[3] سجاح - ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے۔ جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں ھو اکذب من سجاح اور اسود عنسی اور مسیلمہ جس کی کنیت ابن کثیر ہے۔ یہ دونوں مدعی نبوت تھے۔ جو آخر کار قتل کئے گئے۔

نعت

یا ملکی الصفات یا بشری القویٰ ۔۔۔ فیک دلیلٌ علی انک خیر الوریٰ

تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ بارش سے خاک ۔۔۔ خلقک خصب الزمان بعثک محیا الوریٰ

دعوے روشن ترا ثابت بے بینہ ۔۔۔ صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گوا

قال ترا اور حال نشۂ وحدت میں چور ۔۔۔ اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا

غیب سے بھیجا تجھے ٹاپتا پھرتا تھا جب ۔۔۔ دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما

اُٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت ۔۔۔ جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اُٹھے گھٹا

شانِ رسالت کی تھی تیری جبیں سے عیاں ۔۔۔ گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جُدا

گلۂ بنی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو ۔۔۔ گلۂ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا

دوڑ پڑے سوئے حق کاٹ کے سب بیڑیاں ۔۔۔ اُمیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا

راہب و قیس و حبر رہ گئے ہونٹ تھام کر ۔۔۔ دیکھ کے تیرا قدم ہم قدمِ انبیا

خاک تھی جس ملک کی مزرعِ شر و فساد ۔۔۔ تو نے اِسی کو دیا ارضِ مقدس بنا

تو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب ۔۔۔ جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا

چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھورے بہت ۔۔۔ تو نے کیا دام دام قرض سب اِن کا ادا

تو نے کیا سرِ حق عارف و عامی پہ فاش ۔۔۔ ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا

چوٹ سے حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی ۔۔۔ ایک کے چرکا لگا ایک کو گھائل کیا

حجت حق کر چکا دین ترا جب تمام ۔۔۔ پھر نہ کسی دین کا رنگ جہاں میں جما

سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیئے ہاتھ باندھ سب کے
جنہیں تھا یاں اختیار سب کچھ انہیں بھی بے اختیار دیکھا
بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
ہمیشہ بیکار تجھ کو پایا کبھی نہ سرگرم کار دیکھا

پردہ ہو لاکھ کینۂ شمر و یزید کا — چھپتا نہیں جلال تمہارے شہید کا
مضمون ہے نقشِ دل میں لدینا مزید[1] کا — کونین سے بھرے گا نہ دامن امید کا
قفلِ درِ مراد سب آکیا کھل گئے — چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا
دیکھا ہے ہم نے عالمِ رحمت کو غور سے — ہے شش جہت میں قحط دلِ ناامید کا
شرم کرم کی ہیں یہی پردہ داریاں — انجام ایک ہوگا شقی و سعید کا
ہے نزد بانِ جذبۂ توفیق درمیان — یاں امتیاز کیا ہے قریب و بعید کا
ہے آسمان پہ تیرے جگرخوار کا دماغ — خونِ جگر میں نشہ ہے جام نبید کا
تسکین نہیں مشاہدہ گاہ گاہ سے — یارب یہ روزہ دار ہے مشتاق عید کا
دوزخ ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر — لا تقنطوا جواب ہے ھل من مزید کا

حالی کی ہیں اگر یہی شیوا بیانیاں
لے گا نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

---

[1] قرآن شریف میں ہے لھم ما یشاءون فیھا ولدینا مزید یعنی اہل جنت کے لئے جنت میں جو کچھ وہ چاہیں گے سب کچھ ہوگا اس کے سوا ہمارے پاس کچھ اور بھی ہے ۱۲

رہے سدا نامراد جویاں اُنہیں بھی اُمیدوار دیکھا

رُخِ جہان سوز تیرا دیکھا نظارہ افروزِ جس چمن میں

نہ بلبُل و گُل میں وان تعلق نہ سرو و قمری میں پیار دیکھا

سو محمل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں دوڑے

نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط کچھ اُٹھتا غبار دیکھا

جو لاکھ میں ایک پر کہیں کچھ دکھلا بھی قسمت سے بھید تیرا

مِلا نہ کھوج اُس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈھا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پُرخطر سے

گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

بچے ہوئے کاہشوں سے یاں کی وہی ہیں جو تیرے ہو رہے ہیں

وگرنہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا

چمن میں بھُولے سے جا بھی نِکلے اگر کبھی داغدار تیرے

گل اُن کی نظروں میں چبھتے دیکھا کھٹکتے آنکھوں نہیں خار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے۔ کیسا ہے۔ کون ہے۔ اَور تو کہاں ہے

یہ اپنے میں اَور تجھ میں ہم نے علاقہ اِک استوار دیکھا

سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر ترسا ہوں یا مُسلماں

نہ اُن سے کچھ تیرا بَیر پایا نہ اِن سے کچھ تیرا پیار دیکھا

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے
کچھ رنگ بیاں حالی ہے سب سے جدا تیرا

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا   باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ   ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جمال تیرا
کاوش میں ہے الٰہی ڈگدا میں ہے طبیعی   جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا
چھوٹے ہوئے ہیں گو جی پر دل بندھے ہوئے ہیں   ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا
گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں   لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا
پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی   پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
اُن کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی   آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا
دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر عزیز رکھیئے   دل ہے سو چیز تیری جان ہے سو مال تیرا
ہے پور زال سے دل اُس کا قوی زیادہ   رکھتی ہے آسرا یاں جو پیر زال تیرا
ہے پاس دوستوں کے تیری یہی نشانی   یارب کبھی نہ پلٹے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالی۔ یہ رنگ آشنائی
سن سن کے سر دھنیں گے قال اہل حال تیرا

ربط میں دشت جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اس سفر میں تکان دیکھی نہ اس نشے میں خمار دیکھا
نہ جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے

غزلیات قدیم وجدید

چونکہ بہت سی ردیفیں قدیم غزلیات میں اور بہت سی جدید غزلیات میں نہیں تھیں۔ اِس لئے ہر ایک ردیف میں دونوں قسم کی غزلیں ملا جلا کر لکھ دی گئی ہیں۔ اور تمیز کے لئے ہر قدیم غزل کے شروع میں حاشیہ پر حرف ق لکھ دیا گیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں قدیم و جدید غزل میں کیا فرق ہے۔

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اِس سے سوا تیرا | اِک بندۂ نافرمان ہے حمد سرا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا | بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا

محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم | کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا

چھتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی | قطعہ کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

عظمت تری ماننے بن کچھ بن نہیں آتی یاں[1] | ۱ ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط اُن کو | ۲ جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا

نشہ میں وہ احسان کے سرشار ہیں اور بیخود | ۳ جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا

سمجھا ہے پرے تجھکو اِک کی سرحد سے | ۴ جس قوم نے رکھا ہے انکار روا تیرا

طاعت میں ادب تیرا عصیاں سے ہی گو بڑھکر | ۵ عصیاں میں ہے طاعت سے اقرار سوا تیرا

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری | گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا[1] تیرا

---

[1] یا اشارہ ہے۔ اِس حدیث کی طرف۔ اَلا اِنَّ لِلّٰہِ نفحاتٍ فی الدّھر اَلا فتعرّضوا لہا

یعنی خدا کی خوشبوئیں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ سو اُن کا آگا لو بعد اُن کو اوپر نہ جانے دو ۱۲

کارخانہ کا را جس کے کبھی چاقو نہ لیں — اِس کا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر
خوردنی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں انہیں — اِن کو لندن سے منگائیں بس چلے اِن کا اگر
الغرض اہلِ وطن کی پاسداری کو یہ لوگ — جانتے ہیں دین و ایمان اپنا قصہ مختصر
سُن کے حالیؔ نے کہا ہے حصر انگریزوں پہ کیا — ایک سے ہے ایک قوم اِس عیب میں آلودہ تر
ہیں محبت میں سب اللہ سے اپنی اپنی قوم کے — یہ وہ خصلت ہے کہ مجبول اِس پہ ہے طبع بشر
مکھیاں جتنی بگل جاتے ہیں پاس قوم میں — اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر
ہاں بری اِس عیب سے دیکھے اِس دنیا میں ہے — چشم بد دور اُمّتِ مرحوم اے جانِ پدر
اور قوموں سے انہیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز — حملہ جب کرتے ہیں کرتے ہیں یہ اپنی فوج پر
ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یاں — جس قدر ہے اُن سے اپنوں اور بیگانوں کو خطر"

دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی زخم جن کا زخم ہے تلوار کا
اور بھی حیوان ناطق کے لئے ہیں بہت سی زحمتیں اِن کے سوا
پر گدھے اور اور حیوانات سب رہتے ہیں دور۔ ان گزندوں سے سدا
کیسا اِن آلام سے رہتا نچنت اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا

چنڈو بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈو کے وہ تھا ہمنشیں جب پوچھا ناصح نے کہ اِس کام کا آخر انجام؟
بولا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرائے کی ٹھہرنا بے قدر شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بد نام
جس سے عقبیٰ ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی بیچ جس سے دُنیا میں ہو نام ایسا نہ کرنا کوئی کام
ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا نفس سرکش کے مگر ہاتھ میں ہے اپنی زمام
کہا ناصح نے کہ انجام ہو معلوم اگر لے نہ اِس زہر ہلاہل کا کوئی بھول کے نام
یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہے لیکن یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجام
بُرے انجام کی تب ہو گی حقیقت روشن بُرے انجام سے جب آکے پڑے گا خود کام
مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم گو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سب پختہ و خام

قوم کی پاسداری

اِک مسلمان خاص انگریزوں پہ تھا یوں نکتہ چین پاس اِن لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
چاہتے ہیں۔ نفع پہنچے اپنے اہلِ ملک پر گو کہ اُن کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر

پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اُس کو یاد   یاروں سے میں بیان ابھی کر چکا ہوں کیا
بھُولے نہ اپنی یاد پہ انسان کو چاہئے   آخر بشر کا خاصہ ہے سہو اور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرے پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدائے ظریف   جہاں سے ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر
ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش   سخی ہو وہ اس میں کہ ممسک. غریب ہو کہ امیر
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولت مند   کہ جس کا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و نظیر
ہوا جو ایک دن اُس راہ سے گذر اُس کا   درم اِک اُس نے بھی چاہا کہ بھیجے نذر فقیر
کہا فقیر نے گو اپنی یہ نہیں عادت   کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعیر
پہ لوں گا آپ سے میں پانچ کم سے کم دینار   کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر
یہی اللّے تللّے رہے تو آپ کو بھی   ہماری طرح سے ہونا ہے ایک روز فقیر
سو وقت ہے یہی لینے کا خود بدولت سے   دکھائے دیکھئے پھر اِس کے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اُٹھ جائے دلیل و بحث سے   جو چلا آتا ہے باہم اہل مذہب میں خلاف
ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت   رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف

اِنسان جو اشرف المخلوقات ہے سب سے زیادہ موردِ آفات ہے

دِل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار   دو ہیں اُن میں سے نہایت جانگزا
ایک فکر اُس آنے والے وقت کی   شک نہیں ہے جس کے آنے میں ذرا

اگر پل پڑے چوسر اور گنجفہ پر — تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
پڑا مرغ بازی کا پکا تو جانو — کہ بس ہٹ گئے عزم جنگ تتر کے
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر — تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
جب ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو — کہ چھوڑیں گے اب آپ تنخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنا — رہیں پاؤں کے ہوش جس میں نہ سر کے
جو کھانا تو بیحد جو پینا تو اَتْ گَتْ — غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

طبیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے

بشر کے صدمہ سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال — کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار
یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے — تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول — جو چل بسے کوئی اِن کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ تھوپ جائے گی خطا ہم پر — کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

اپنی ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی — پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا
ہوتا ہے اس سے کار نمایاں کوئی اگر — کرتا ہے بار بار بیاں اُس کو بر ملا
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیئے — ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اِک جدا

۱؎ یعنی پیٹ بھر کے۔ احمق۔ احمق کا لفظ اکثر اس مقام پر حذف کر دیتے ہیں گویا مخاطب کے سوا کسی پر اس کی حماقت ظاہر کرنا نہیں چاہتے ۱۲ +

جنہوں نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا — بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زنہار

کام اچھا کرنا چاہیئے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے — اُس نے کی تاخیر اس نے جس قدر اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہیں — بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

گدائے بیرم

اِک برہمن مورتی کے سامنے باصد نیاز — مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دُعا بیٹھا کہیں
آن نکلا بانوا اک مانگتا کھاتا اُدھر — دیکھ محویت برہمن کی گیا بس تھم وہیں
جی میں آیا چھیڑ کر قائل برہمن کو کرے — تاکہ پوجے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرمگیں
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا — بانوا بولا کہ ہے تو بھی عجب کوتاہ بیں
مورتی کچھ تجھکو دے گی اور نہ دے سکتی ہے وہ — ناحق اتنی التجائیں اس کے آگے تو نے کیں
ہنس کے برہم نے کہا ہے مانگنا بندہ کا کام — دے نہ دے وہ اس سے کچھ مطلب نہیں اپنے تئیں
ہم نہیں دیتے دُہائی تم جیسے ڈھیٹوں کی طرح — ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پاؤں پھیلاتے نہیں

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو — ذرا وصف اپنے سنو کان دھر کے
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز — جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس ادھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت — تو چیخ اٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے
جو مجرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جبتک — کہ اٹھ جائیں ساتھی سب اک ایک کر کے

افسروں کا بھی یہی شیوہ ہے وقتِ بازپُرس   اپنے ماتحتوں کے سر دیتے ہیں تھوپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آ آکے جو لوگ   تمہاری ہر دم اے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھُولنا تم   وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملالت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک   نہیں اُن میں سے تم میں ایک خصلت

تدبیر قیام سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو مُلک ہو مفتوح   واں پاؤں جمانے کے لئے تفرقہ ڈالو
اور عقل خلاف اُسکے تھی یہ مشورہ دیتی   یہ حرف سبک بھُول کے مُنہ سے نہ نکالو
پر رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر   مانو اُسے۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن   جو بات سبک ہو اُسے مُنہ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر   مردوں کی حکومت میں ہے مُلکوں کی بُری گت
لیکن بخلاف اِسکے۔ ہے عورت کا جہاں راج   واں مُلک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاں دار   قبضہ میں ہے واں عورتوں کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی   سمجھو کہ ہے اُس مُلک میں مردوں کی حکومت

مغرور کی پہچان

غرور زید کی کرتا ہے گر شکایت عمرو   تو سمجھو۔ کرتا ہے اپنے غرور کا اظہار

نزدیک اُن کے گویا برغمِ عقل و دانش   ہے کنگڈم سے آسان ہیڈم کیلیس میں لانا

حرص

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ   قدر قلیل ہے سب مال و منالِ دُنیا
گویا کہ حرص اُس کی اس سے بجھی نہیں ہے   ہے جس قدر فراہم پاس اُس کے مالِ دُنیا

امرا اور عقلا

جاتے ہیں اگر پاس امیروں کے خردمند   وہ جانتے ہیں جو کہ ہے جانے کی ضرورت
پر اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں   ملتے عقلا سے نہیں جو صاحبِ ثروت
بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطبا   بیمار کو کچھ اس سے سوا اُن کی ہے حاجت

عصمت بی بی از بے چادری

اے بینواؤ ہنستے ہو کیا منعموں پہ تم   اخلاق میں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
تم زد سے نفس کی ہو جبھی تک بچے ہوئے   ہو جب تلک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش   گر تم کو ہوں نصیب تو دُنیا کو دو اُجاڑ

سچ کہاں ہے

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے   دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتبخانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں   سچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہے انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر تھوپنا

کھوٹے کاریگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہی کام   اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا

ایک شہزادی۔ کہ اکلوتی تھی جو ماں باپ کی | تخت شاہی پہ ہوئی بعد از پدر مسند نشین
سلطنت میں اُس کے تھا مردوں کو کُلی اختیار | عورتیں اصلا دخیل اِس کی حکومت میں نہ تھیں
مرد ہی تھے اس کے محرم۔ مرد ہی اسکے مشیر | تھا نہ عورت کا پتا دربار میں اُس کے کہیں
تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم | ہنس کے فرمایا کہ اے دولت کے ارکانِ رکیں
مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس میں | بلکہ ہی اُنس اِس لئے تم سے کہ تم عورت نہیں
بات کی حُسن بیان سے اُس نے دی صورت بدل | تاکہ کوئی سوءِ ظن اِس پر نہ کر بیٹھے کہیں
ورنہ یوں کہتی کہ ہی عورت کی سیرت سے مجھے | اِس لئے نفرت کہ ہی مردوں کی صورت دلنشیں

قانون

کہتے ہیں ہر فردِ انسان پر ہے فرض | ماننا قانون کا بعد از خدا
پر جو سچ پوچھو۔ نہیں قانون میں | جان کچھ مکڑی کے جالے سے سوا
اُس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں | اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
پر اُسے دیتے ہیں توڑ اک آن میں | جو سکت رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ | اور نظر میں زورمندوں کی ہے لا

شادی قبل از بلوغ

جب تک نہ شہزادہ اٹھارہ سال کا ہو | تخت پدر پہ اُس کو ممنوع ہے بٹھانا
قانون ہے بنایا یہ اُن مقننوں نے | عالم میں آجکل جو مانے ہوئے ہیں دانا
لیکن کریں نہ اِسکی قبل از بلوغ شادی | کہتے ہیں وہ عبث ہے قانون یہ بنانا

ابن حمدوں نے کی یہ دانائی   کہ خوشامد سے یوں اُسے تھپکا
دور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے   ہو کے اپنی خطا سے کھسیانا
جائے کنجشک ابن حمدوں پر   تیر کا اپنے امتحاں کرتا
ابن حمدوں کی جان گو جاتی   دِل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیت پر نااہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اُس کے   "فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطۂ ملعوں تھا یہی جس کی بدولت   تھا دل میں خدائی کا خیال اُس کے سمایا
میں بھی اُسے اُس باغی طاغی کے علی الرغم   اِک بندۂ بے قدر کو بخشوں گا خدایا"
کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا   جس پر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنت مصر کی باگ اُس کے حوالے   نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا
باڑی گئی بہ ایک برس نیل کی رَو میں   یہ حادثہ آ اُس کو کسانوں نے سنایا
فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون   ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اُٹھایا
ہارون نہ سمجھا کہ ودیعت ہے خدا کی   محکوم ہے جو میری رعایا و برایا
فرعون کے مانند اگر وہ بھی سمجھتا   اپنے خدا جس نے ہے عالم کا بنایا
جوکھوں میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی   اِک سفلۂ ناکس کی بنا اس کو رعایا

رشک

ظاہر مردوں کی طینت میں نہیں رشک اِس قدر   ہے طبیعت میں جتنا عورتوں کی جاگزیں

ہم عشق ہیں مکینوں پہ وہ عاشق ہیں مکاں کی　　گھر بھول گئے ہم تو نہیں تم کو بھلایا
گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر گھر ہی بلا ہے　　مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا

ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفر صادق سے عرض کی　　"محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر
کرتے رہیں گر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ　　ہوتا رہوں گا پند سے حضرت کی بہرہ ور"
فرمایا ہوتے ہیں تری صحبت میں جو شریک،　　لائیں گے وہ نہ حرف نصیحت زبان پر
اور جن سے ہے امید نصیحت وہ بالیقیں　　صحبت میں بیٹھنے سے کرینگے تری حذر"

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خادم ماموں کے بہت گستاخ تھے　　ایک دن خادم کی گستاخی پہ ماموں نے کہا
"کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت　　پیش خدمت اس کے بد اخلاق ہوتے ہیں سدا"
پر جو سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم　　ہے دلیل اسکی کہ ہے خود خلق آقا کا برا
کھو دیا ہیبت کو اپنی جس نے اور تمکین کو　　اس نے گویا ڈھا دیا رکن رکین اخلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

متوکل کا تیر چڑیا پر　　ہو گیا اتفاق سے جو خطا
ابن حمدون ندیم تھا حاضر　　کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
جن کو خلق خدا پہ شفقت ہے　　خون بہانا نہیں وہ رکھتے روا
جا نہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ　　تو نے دی قصداً اسکی جان بچا

برکت واتفاق

کہہ رہا تھا یہ اِک آزاد کہ ہے جن میں ملاپ　　دولت و بخت ہے ہر حال میں اُن کے ہمراہ

نہ انہیں حاجتِ اعوان ۔ نہ تلاشِ انصار　　نہ اُنہیں خوف بد اندیش نہ بیم بدخواہ

پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یک جہتی　　اُس کی دُنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ

نہ ملاذ اُن کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل　　نہ مفید اُن کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ

ایک مُلّا نے سُنا جب یہ سخن ۔ فرمایا　　تکیہ اور اِس قدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ

اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں　　دستِ قدرت کے ہے سب ہاتھ سفید اور سیاہ

واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ پھوٹ کا ڈر　　پڑ گئی فضل کی مولا کے جدھر ایک نگاہ

کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر　　کردیں افرادِ پراگندہ جماعت کو تباہ

پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم　　اس کو جب دیکھا ہی دیکھا ہی جتھوں کے ہمراہ

بعدِ صوری مانعِ قربِ معنوی نہیں ہے

حالیؔ نے جو رہنے کے لئے شہر میں اک گھر　　جا اپنے محلہ سے کہیں دُور بسایا

جب اہلِ محلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت　　دل دردِ جدائی سے عزیزوں کا بھر آیا

ہمسایۂ و احباب لگے کرنے سب افسوس　　اِک دوست شکایت سے سخن لب پہ یہ لایا

بلی ۔ کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھر پر　　اتنی بھی محبت تمہیں گھر سے نہیں آیا؟

حالیؔ نے کہا اُنس ہے چیز اور ۔ وفا اور　　بلّی نے مزا اصل کا وفا کے نہیں پایا

اُس مہر و وفا کی نہیں بلّی پہ پڑی چھینٹ　　کتّے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو پڑھایا

ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی   پرواز کی ہے چیونٹوں کو جیسے ہدایت

روسائے عہد کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت   بر سبیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا
بولے آج اس کا نہیں مہمان نوازی میں نظیر   عاملاں شہر مدعو اُس کے رہتے ہیں سدا
ضلع کے احکام کا ادنیٰ اشارہ چاہیئے   پھر کوئی دیکھے سخاوت اسکی اور بذل و عطا
یادگاریں جتنی ہیں اعیان دولت کی بنیں   اُن میں صرف اسکی رقم ہے سب کے چندے سے سوا
پالکی یا ویگنٹ ہے جو سواری اُس کے پاس   اہلکاروں کے لئے ہے وقف بے چون و چرا
کیا کلکٹر کیا کمشنر کیا سپاہی کیا عسس   اُس کی ہمت کے ہیں سب مداح بے ریب و ریا
جب یہ دیکھا مدح کا دفتر نہیں ہوتا تمام   جوڑ کر ہاتھ۔ اُن سے حالی نے بصد منت کہا
عیب بھی اُس کا کوئی آخر کر دیا رو بیاں   سُنتے سُنتے خوبیاں جی اپنا متلانے لگا

ایمان کی تعریف

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف   تو دی چراغ سے اُس کو بہ آب و تاب مثال
کہا فتیلۂ اقرار باللسان ہے ضرور   جہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل[۱]   نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال

---

[۱] یعنی کروسین ائل جو بغیر بتی کے بھی جل سکتا ہے گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہے ۱۲ +

یہ اِس کا اور وہ اُس کا بیاں کرکے کوئی عیب — ہر اِک ہے اپنی اپنی بڑائی بگھارتا
غیبت ۔ اُمید ہے کہ نہ ہوتی جہاں میں — ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خودستا
حالی جو تم سے کھل رہے ہیں جہاں کے — شاید کہ اُس سے آپ کا ہوگا یہ مدعا
یعنی کہ لاکھ پردوں میں کوئی چھپائے عیب — اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کبھی چھپا
القصہ جس کو دیکھیے جاہل ہو یا حکیم — آزار میں خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفسِ دوں ہمارے بس میں ہے — گر کبھی حملہ پہ اُس کے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی — جن کو نادانی سے حملے اُس کے ٹھہراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دیئے سب عقل نے ہتھیار ڈال — زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم میں افلاس ہو اُس میں بخل اتنا بدنما نہیں جتنا اسراف

حالی سے کہا ہم نے کہ ہے اس کا سبب کیا — جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور — جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے ۔ پر بخل سے کمتر — ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت
حالی نے کہا رو کے نہ پوچھو سبب اِس کا — یاروں کے لئے ہے یہ بیان موجبِ رقت
کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اُس وقت — جب قوم میں افراط سے تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر — پھر اُس میں نہیں بخل سے بدتر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ اقبال — گھر گھر پہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

خودستائی

اے دلِ بشرؔ وہ کون ہے جو خودستا نہیں ‏— پر۔ خودستائیوں کے ہیں عنواں جدا جدا

جو زیورِ خرد سے مُعرّا ہیں سادہ لوح ‏— کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی برملا

جو اُن سے تیز ہوش ہیں سو سو طرح سے وہ ‏— پردوں میں کرتے ہیں اسی مضمون کو ادا

کہتا ہے ایک کیسی حماقت ہوئی ہے آج ‏— کمبل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دے دیا

کہتا ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفعل ‏— سائل کی ڈب میں مَیں نے دیا مال جب دکھا

پردہ میں زیرکی کے چھپاتا ہے بخل یہ ‏— اور بن کے بیوقوف جتاتا ہے وہ سخا

کچھ۔ اس لئے کہ ہم بھی انہیں میں سے ہوں شمار ‏— اہلِ وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا

کچھ۔ اس لئے کہ اپنا ہو انصاف آشکار ‏— کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جا بجا

کہتا ہے ایک لاکھ نہ مانے بُرا کوئی ‏— ہے عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا

کہتا ہے ایک گر ہے خوشامد کا اور ہی ‏— پر جاتے آدمی کو ہیں کہہ کہہ کے ہم بُرا

دُھوکا ہُنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب یہ ‏— اور مُنھ سے در دکہہ کے دکھاتا ہے وہ صفا

چپ چاپ سُن رہا ہے کوئی اپنی خوبیاں ‏— یعنی کہ یہ بیان ہے سب راست اور بجا

کہتا ہے اِس پہ کوئی کہ سب حُسنِ ظن ہے یہ ‏— اِک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا

قانع ہے وہ اُنہیں پہ ہوئے وصف جو بیاں ‏— اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا

کہتا ہے زید۔ عمرو ہے شدت سے سادہ لوح ‏— گنتا ہے سب کو نیک وہ اچھا ہو یا بُرا

کہتا ہے عمرؔ زیدؔ بھی کتنا ہے عیب بیں ‏— بد ہو کہ نیک۔ اُسکی زباں سے نہیں بچا

حاشا کہ تجکو خوف خدا کا ہوا بر قدم　　جتنا کہ خوف طعنہ و تشنیع خاص و عام

غزو نیک ثانی

گئی ہے حد سے گذر شیخ کی نکو نامی　　گمان بد کبھی اُس کی طرف نہیں جاتا

جو اُس کے عیب کسی قسم کے بیان کرے کوئی　　خود اُس کو عیب کا اپنے یقین نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا مڈیکل امتحان

دو ملازم۔ ایک کالا اور گورا دوسرا　　دوسرا پیدل۔ مگر پہلا سوار رہوار

تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونوں رواں　　کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھے دونوں خواستگار

راہ میں دونو کے باہم ہوگئی کچھ ہشت مشت　　کیکھ کالے کی اِک مکا دیا گورے نے مار

صدمہ پہنچا جس سے تلی کو بہت سنگین کی　　آ کے گھوڑے سے لیا سائیس نے اُس کو اتار

ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی　　چوٹ کے صدمہ سے غش کالے کو آیا چند بار

آخرش کوٹھی پہ پہنچے جا کے دونو پیش و پس　　ضارب اپنے پانوں اور مضروب ڈولی میں سوار

ڈاکٹر نے آ کے دونو کی سنی جب سرگذشت　　ہتہ کو جا پہنچا سخن کی سن کے قصہ ایک بار

دی سند گورے کو لکھی تھی جس میں تصدیق مرض　　اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت زار و نزار

یعنی اِک کالا نہ جس گورے کے مکے سے مرے　　کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار

اور کہا کالے سے تم کو مل نہیں سکتی سند　　کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار

ایک کالا پٹ کے جو گورے سے فوراً مر نجائے　　آئے بابا اُس کی بیماری کا کیونکر اعتبار"

پہلے جو بھاگوانوں سے ملتی تھی روز بھیک　　آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا
پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پر مدار　　منت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا
امید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت　　گرچند روز اور رہا ان سے سابقا
آیا جواب سن کے یہ اس کا بہت پسند　　کی آفرین اور اس سے مخاطب نے یوں کہا
نیٹو ہیں جو کہ ملک میں تعلیم یافتہ　　حق میں ترے مفید ہیں ان سے بھی سوا
انگریز اگرچہ ہندیوں کے حق میں ہیں بخیل　　اہل وطن پہ ان کی مگر جان ہے فدا
پر جو کہ دیسیوں میں ہیں تعلیم یافتہ　　دل بھائیوں پہ بھی نہیں ان کا پسیجتا
انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور　　جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا
اہل غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ　　شائستگی کا زہر ہے جب سے انہیں چڑھا

اسراف

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا　　کب تلک اے نادان یہ حب مال و زر
تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ　　ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر
ہنس کے ممسک نے کہا اے سادہ لوح　　زر لٹانا رائگان اور اس قدر؟
آج ہی گویا (نصیب دشمنان)　　آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

پاس نیک نامی

اے نیک نام شکر کر اللہ کا ادا　　جس نے بنایا نیک تجھے کر کے نیک نام
ہوتا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا　　پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام

شعر و انشا کو تو ہو شاید فروغ — ہے بہت کم پر خلاف اِس کے گماں
سلطنت کا پر خدا حافظ ہے۔ جب — شاعروں کے ہاتھ ہو اِس کی عناں
اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے — شعر و انشا کو بھی ہے خوفِ زیاں
ایک پر اُن میں سے چل سکتا نہیں — دوسرے کا جادوے حسنِ بیاں
ایک جب چلنے نہ دے گا ایک کی — پھر ترقی شعر و انشا کی کہاں

لوگ کسی کی خوبیاں سُن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ اُس کے عیب سُن کر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ ممنون حالیؔ — اُس قدر خوبیوں کے اپنی نہیں شکر گذار
لوگ جب عیب ہمارا کوئی سُن پاتے ہیں — گو کہ کرتے ہیں تاسف کا بظاہر اظہار
پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو رنج اُن کو کمال — گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پائے قرار
اور جو ہو گوش زد اُن کے کوئی خوبی اپنی — خوش تو پڑتی ہے بنانی انہیں صورت ناچار
دل میں ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُن کے — کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زنہار
للّٰہ الحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا — نفس میں اپنے ہے سامان بہت کچھ تیار

شائستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اِک فقیر کی کرتا تھا جب سوال — انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مُدت تک اُس کی جب یہی دیکھی گئی روش — پوچھا کسی نے اُس سے کہ اُس کا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اِس لئے کی ہے یہ اختیار — چھُٹ جائے تا کہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا

نفس نے عقل سے کی عرض کہ اے خضرِ طریق — وعظ پر تیرے ہے زیبا کہ فدا کیجئے جاں
پر نہیں حکم ترا کوئی۔ عمل کے قابل — گو کہ حکمت سے بھرا ہے سراسر ہے بیاں
نقد کو چھوڑنا اور نسیہ کی رکھنی امید — کوئی تسلیم کرے گا نہ اُسے جز ناداں
ہے یہ ایک ایک مری لذتِ فانی وہ بلا — سوچیا تیں ابدی تیرے ہیں جس پہ قرباں
ایک اب بھوک کے سو کہتا ہے کہ اے قابِ طعام — ایک مدعا اُسے کرتا ہے پس از سال رواں
کیونکہ امید پہ اک مائدۂ نعمت کی — سال بھر صبر کرے گرسنگی میں انساں
عقل نے سن کے کہا خوف ہے تجھ سے اے نفس — خر یزہ تیرا تجھے دیکھئے پہنچائے کہاں
حق کے پیرایہ میں ہوتا نہیں باطل سرسبز — کیجئے لاکھ بیاں اُس پہ دلیل و برہاں
جان بلب بھوک سے ہو گرسنہ بالفرض اگر — زہر دانستہ کرے نوش نہیں یہ امکاں
دیکھیں بھوک میں کھا بیٹھو یہ لقمۂ نقد — اس کے کھانے میں نہیں جان کی خیر اے ناداں

عادات کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سے کہا — گھیر لی عقل صواب اندیش کی سب تو نے جائے
ہنسکے عادت نے کہا کیا عقل ہی مجھ سے الگ؟ — میں ہی بنجاتی ہوں نادان رفتہ رفتہ عقل و رائے

شعرا کو سلطنت میں دخل دینا

سُنتے ہیں یہ اک مُدبر کی ہے رائے — چاہیے گر رونقِ علم زباں
شاعروں کو سلطنت کا کیجیے رکن — جن پہ اُس کی سب رکاوٹیں ہیں عیاں
رائے صائب ہے بظاہر اور متیں — گو کیا اِس کا نہیں کچھ امتحاں

دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید — عیب ان کے دوست کیوں نہ چھپائینگے بے خطر

اور جو کہ دوست سے نہیں سن سکتے اپنے عیب — وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور

جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یہاں — موقوف عبرت[1] ان کی نہ دشمن پہ نہ دوست پر

سخن سازی

ہے مرد سخن ساز بھی دنیا میں عجب چیز — پاؤ گے کسی فن میں کہیں بند نہ اس کو

موجود سخن گو ہوں جہاں واں ہیں طبیب آپ — اور جاتے ہیں بن آپ طبیبوں میں سخن گو

دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو آپ ہیں سب کچھ — پر ہیچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دونو

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کہ کرے خوار و زبوں — اپنے دعووں پہ بیاں کر کے دلیل و برہاں

کہا اے نفس نہیں تجھ میں مآل اندیشی — درد ہیں تیرے اسی واسطے سب بے درماں

ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوشی — جس کا آتا ہے نظر پیشتر از صبح زیاں

سود سے کچھ تجھے رغبت نہ زیاں سے پرہیز — تیرے نزدیک ہے درد اور دوا سب یکساں

نہیں غفلت میں تجھے دین نہ دنیا کی خبر — یہ بھی ہے نیند کوئی موت کا ہے جس پہ گماں

نہ جوانی میں تجھے صبر نہ پیری میں شکیب — کبھی ہوتا نہیں کم تیری خودی کا طوفاں

کہیں جائے نہ بھٹک منزل مقصود سے تو — دیکھ جاتا ہے کدھر اور تجھے جانا ہے کہاں

ہاتھ دھو لذت فانی سے نہیں گر منظور — عیش باقی و حیات ابدی سے حرماں

---

[1] عبرت: اعتبار نصیحت حاصل کرنا ۱۲

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اے خدا پرست — دل میں کہیں نشاں نہیں تیرے یقین کا
جی میں ترے ہزاروں گذرتے ہیں وسوسے — ہوتی نہیں قبول تیری ایک گر دُعا
تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بُت پرست — جس کا یقین ہے تیرے یقین سے کہیں سوا
وہ مانگتا بُتوں سے مُرادیں ہے عمر بھر — گو حاجت اُسکی اِن سے ہوئی ہی نہ ہو روا
آتا نہیں یقین میں اُس کے کبھی قصور — اُمید اُس کی روز فزوں ہے اور التجا
تو بندۂ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہے — وہ ہے کہ یہ ہے بندگی؟ اے بندۂ خدا

استفادہ

لیجئے بھیک دوڑ کر۔ گر ہے گداگری کا یہ — جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے
ہے یہی اصل اکتساب۔ ہو جیئے سب سے مستفید — زک ملے یا سزا ملے۔ درس ملے۔ ادب ملے

لائق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فایدہ اُٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ ”گر غور کیجئے — ہے حق میں سب کے دوست سے دشمن مفید تر
اوّل تو سوجھتا ہی نہیں عیب دوست کو — اور سوجھتا ہے تو نہیں لاتا زبان پر
پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب — سو سو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی کا دوست — منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر
اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بد سگال — رکھتا ہے جو کہ دوست کے عیب اِس سے مستتر“
گو قول ہے متین پہ جو تھی سخن کی تہ — افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ واں نظر

جیتے جی مرگئی بس اُن کی طرف سے گویا ‏ جل کے پردیس میں بیٹی کو دیا بیاہ اگر
چھان بیں اس کی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہے ‏ پر نہیں دیکھتا یہ کوئی کہ کیسا ہو بر
بدمزاجی ہو۔ جہالت ہو کہ ہو بدچلنی ‏ کچھ بُرائی نہیں۔ زر تو بنتا ہو داماد اگر
یہی ناشدنی ریت ہے جس کے کارن ‏ بکریاں جیٹروں سے پاتی ہیں پیوند اکثر
جاہلیت میں تو تھی اک یہی آفت کہ جہاں ‏ گاڑ دی جاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر
ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی ‏ زندہ در گور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر
اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام ‏ جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ بدتر

سیّد احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اِک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے ‏ برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی
وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا ‏ لیکن نہ اُس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی ‏ تدبیر یہ بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی
روزی کی خاطر اُس نے کئے سیکڑوں جتن ‏ پر کی نصیب نے نہ کہیں اُس کے یاوری
راہِ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت ‏ اِک خضرِ پے خجستہ نے کی آکے رہبری
جھک کر کہا یہ کان میں اُس کے کہ آجکل ‏ سنتا ہوں چھپ رہی ہیں تصانیف احمدی
جا۔ اور لفظ لفظ کو اُس کے چھیڑ کر ‏ تردید اُس کی چھاپ دے جو ہو بُری بھلی
پھر دیکھنا کہ مال چپ و گرد و پیش سے ‏ لگتی ہے کیسی آکے زر و سیم کی جھڑی
دنیا طلب کو چاہیئے ابلہ فریب ہو ‏ دُنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہے ابلہی

اُردو کے دھنی وہ ہیں جو دلّی کے ہیں یا روڑے — پنجاب کو مَس اس سے۔ نہ پورب نہ دکن کو
بلبل ہی کو معلوم ہیں انداز چمن کے — کیا عالمِ گلشن کی خبر زاغ و زغن کو
حالی کی زباں گرچہ مثل نہرِ لبن ہو — خالص نہ ہو تو کیجئے کیا لے کے لبن کو
ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ — پہنچے گا نہ وہ نافۂ آہوئے ختن کو
مانا کہ ہے بیساختہ پن اُس کے بیاں میں — کیا پھونکیئے اس ساختہ بیساختہ پن کو
یہ۔ دوست نے حالی کے سنی جبکہ تعلّی — حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
کچھ شعر تھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ پوچھا — کیوں صاحبو عزت اسی اُردو سے ہے فن کو
سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے — کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو
حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے — پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسمِ عرب — کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا دختر
سنگدل باپ اُسے گود سے لیکر ماں کی — گاڑ دیتا تھا زمیں میں کہیں زندہ جا کر
رسم اب بھی یہی دُنیا میں ہے جاری لیکن — جبکہ اندھے ہیں ہیئے کے نہیں کچھ ان کو خبر
لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈھتے ہیں جب پیوند — سب سے اوّل انہیں ہوتا ہے یہ منظورِ نظر
ایسے گھر بیاہیئے بیٹی کو جو ہو آسودہ — اور مہ و مہر سے جو ذات میں ہو افضل تر
جانے پہچانے ہوں ہمسایہ کے سارے زن و مرد — اُن کے معلوم ہوں عادات و خصائل یکسر
ایک ہی شہر میں ہوں دونو گھرانے آباد — دونوں۔ نزدیک قرابت میں ہوں باہمدگر

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے — اسی پر ہے جہان کا اتفاق اب
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم — زبان جس کی ہو ایک اور نسل و مذہب
مگر وسعت اُسے بعضوں نے دی ہے — نہیں جو رائے میں اپنی مذبذب
وہ نیشن کہتے ہیں اُس بھیڑ کو بھی — کہ جس میں ہوں حدیں مقصود ہوں سب
زبان آپس کی نہ ہو مفہوم اُس کو — ہوں آدم تک جدا سب کے جد و اب
جو واحد لاشریک اس کا خدا ہو — تو لاکھوں اُس کے ہوں معبود اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذرا کہیں میلا کچیلا اک غلام — اُس کے میلے پن پہ لوگوں نے ملامت اُسکو کی
عرض کی "ایک اک غلام ہو جس بدن کا ملک غیر — اختیار اُس کی صفائی کا نہیں رکھتے رہی"
جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال — عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں یہی غلام
کیونکہ جسم آدمی میں پیش اہلِ معرفت — کوئی چیز اس کی نہیں سب ہے امانت گور کی

دلی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی کے کہا از رہِ انصاف — "کرتے ہیں پسند اہلِ زبان اُس کے سخن کو"
چند اہلِ زبان جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا — بولے کہ نہیں جانتے تم شعر کے فن کو
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہلِ زبان سے — ہو چھو نہ گئی غیر زبان اُس کے دہن کو
معلوم ہے۔ حالی کا جو ہے مولد و منشا — اُردو سے بھلا واسطہ ہے حضرت کے وطن کو

نوکروں پر سخت گیری کرنیکا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکروں پر سخت گیر — درگذر تھی اور نہ ساتھ انکے رعایت تھی کہیں
بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف — کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں
حسن خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار — ذکر کیا نکلے جو چھوٹے مُنہ سے اُسکے آفریں
پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اُس سے دوچار — تھے پھُولے مُنہ چڑھا۔ ماتھے پہ بل ابرو پہ چیں
تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لئے کوئی فتوح — آ کے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امیں
رہتا تھا اِک اِک شرائط نامہ ہر نوکر کے پاس — فرض جس میں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعیں
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار — زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبیں
حکم ہوتا تھا شرائط نامہ دکھلاؤ ہمیں — تا کہ یہ درخواست۔ دیکھیں واجبی ہے یا نہیں
واں سوا تنخواہ کے تھا جس کا آقا ذمہ وار — تھیں کریں جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمہ تھیں
دیکھ کر کاغذ کو جاتے تھے نوکر لاجواب — تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارِ آستیں
ایک دن آقا تھا اِک مُنہ زور گھوڑے پر سوار — تھک گئے جب زور کرتے کرتے دستِ نازنیں
دفعتہً قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار — اور گرا اسوار صدرِ زین سے بالائے زمیں
کی بہت کوشش۔ نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن رکاب — کی نظر سائیس کی جانب کہ ہو آ کر معیں
تھا مگر سائیس ایسا سنگدل او بے وفا — دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لعیں
دُور ہی سے تھا اُسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا — دیکھو سرکار اِس میں شرط یہ لکھی نہیں

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں آزاد ہو جاتا ہے جب لیتا ہے سانس	یاں غلام آکر، کرامت ہے یہ انگلستان کی
اُسکی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں رکھا قدم	اور کٹکر پاؤں سے اک ایک بیڑی گر پڑی
قلب ماہیت میں انگلستان ہے گر کیمیا	کم نہیں کچھ قلب ماہیت میں ہندوستان بھی
آن کر آزادیاں آزاد رہ سکتا نہیں	وہ ہے ہو کر غلام۔ اس کی ہوا جنکو لگی

سیّد احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سیّد احمد خاں سے اک منکر نے یہ پوچھا کہ آپ	کس لئے سیّد سے صاف اے حضرت ملا نہیں
کافر و ملحد ہمیشہ اس کو ٹھہراتے ہیں آپ	ثابت اسلام اُسکا۔ نزدیک آپ کے گویا نہیں
آپ بھی (نام خدا) ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ	اور سلوک اسلام سے خود آپکا اچھا نہیں
خود نبوت پر سُنے ہیں ہم نے ایراد آپ کے	اور الوہیت سے بھی دل جمع حضرت کا نہیں
چشم بد دُور آپ کا بھی جبکہ ہے مشرب وسیع	پھر یہ سیّد پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
سُن کے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے	بات یہ ہے سُن لو صاحب تم سے کچھ پردہ نہیں
رنج کچھ اس کا نہیں مجکو کہ وہ ایسا ہے کیوں	بلکہ ساری کوفت ہی اسکی کہ میں ویسا نہیں

قحط اہل اللہ

کل خانقاہ میں تھی حالت عجب طاری	جو تھا سو چشم پُر نم۔ اپنا تھا یا پرایا
دُنیا سے اُٹھ گئے سب جو تھے مرید صادق	یہ کہہ کے شیخ کا دل بے ساختہ بھر آیا
ہم نے کہا مریدی باقی رہی نہ پیری	یہ کہہ کے ہم بھی روئے اور اُس کو بھی رُلایا

ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں — طفیلیوں کی نہیں دو عزتوں میں عزت و جاہ
یہ سن کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر کہیں — ہو مدعی نہ تجسس میں یاں کوئی ہمراہ
بلا کے پاس پھر آہستہ اس سے فرمایا — ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
قدم پہنچتے جہاں تک ہیں پختہ کاروں کے — جوانِ خام کی واں تک نہیں پہنچتی نگاہ
خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پر — فتوح جن میں ہے دنیا و دین کی خاطر خواہ
نماز و روزہ ہو۔ یا ہو طواف و عمرہ و حج — حصول جیسے کہ ہوتا ہے ان سے قرب الہ
اسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام — نہ جن میں چاہیے محنت نہ کوشش بیجا نگاہ
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے۔ ورنہ — ہزاروں پھرتے ہیں حجلاج سادہ لوح تباہ
یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار — وگرنہ علم معیشت وسیع ہے واللہ

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا۔ حاصل ہے آزادی جنہیں — قدرداں ان سے بہت بڑھ کر ہیں آزادی کے ہم
ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں — قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہو اتنی ہے کم
عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سوا — بینوا کو ہے زیادہ قدر دینار و درم
تعرف الاشیاء بالاضداد ہے قول حکیم — دیگا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم
سن کے اک آزاد نے یہ لاف چپکے سے کہا — ہے[1] مقر موری کے کیڑے کیلئے باغ ارم

---

[1] یعنی جس طرح موری کے کیڑے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا۔ اسی طرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آتی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲

پر یہ حد بھی جامع و مانع نہیں عند الفحول   کہتے ہیں اسلام جو سمجھے لیے وہ خام ہے
یعنی کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ   اور سب کا لفظ یار اغیار سب کو عام ہے
بعض کہتے ہیں شعار اسلامیوں کا ہی لباس   جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ   حصر کرنا اِن تمام آرا کو مشکل کام ہے
مذہب منصور[1] ہے لیکن بیان کرنا ضرور   جو مسلّم آج کل نزدیک خاص و عام ہے
اہلِ حل و عقد ہیں اب متفق اِس رائے پر   سیّد احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت

قریب موسمِ حج۔ قرض لیکے اک دیندار   چلا بہ نیّت حج۔ گھر سے سوئے بیت اللہ
کہا یہ اُس سے اِک آزاد نے کہ اے حضرت   کیا ہے آپ پہ شارع نے جبر یا اکراہ
کہ قرض لیکے چلے ہیں حضور سوئے حجاز   وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحال تباہ
نہ نان و نفقۂ فرزند و زن سے خاطر جمع   نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
سُنا یہ۔ اور بہت ترش ہو کے فرمایا   کہ روکتا ہے مُسلمان کو حج سے اے گمراہ
وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے   نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہمانوں کی   پہنچتے جو کہ ہیں طے کرکے بر و بحر کی راہ
جنہیں فراغت و تنگی میں ہے اُسی سے اُمید   جنہیں سلامت و آفت میں ہے اُسی کی پناہ
وہ سُن کے بولا کہ ناخواندہ میہمانوں کو   اُمید لطف کی رکھنی ہے میزبان سے گناہ

---

[1] اقوال مختلفہ میں سے جو قول راجح ہو اس کو مذہب منصور کہتے ہیں ۱۲ +

کھلتا نہیں کچھ اس کے سوا تیرے بیاں سے — اک مرغ ہے خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہے
تجھے لب پئے اظہار یہ اب آ کے کھلا یہ — انسان کو اخفا کے لئے نطق ملا ہے

بدی کر کے نیک نامی کی توقع رکھنی

نامنصف و بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم — برتاؤ سے نالاں تھی بہت جس کے رعیت
جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات میں جا کر — تھا پوچھتا ہر ایک سے از راہ شرارت
ہیں پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہمیں کیسا — کرتے ہیں ہماری وہ ستائش کہ مذمت
تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بدآواز — جس کو خود آواز سے تھی اپنی کراہت
گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے — ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
تا کہ یہ معلوم کرے دور سے میری — آواز خوش آیند ہے یا قابل نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا زینت و اسباب پہ جو لوگ — اتراتے ہیں اک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے
حالی نے کہا جن کو ہے اترانے سے نفرت — اترا کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے

سید احمد خان کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں — بعض کے نزدیک توحید اس کی حد تام ہے
ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ مردود قول — جو ہیں قائل اس کے ان پر کفر کا الزام ہے
کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہے اس رحمت کو عام — جس سے غیر از اہل قبلہ جو ہے وہ ناکام ہے
بعض کہتے ہیں کہ شر سے تیرے سب ایمن رہیں — پس مسلمانی و دینداری اسی کا نام ہے

جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا ۔۔۔ تیر آ ما جگہ کے کوئی قریں
ایک جاتا تھا چھوٹ کے سوئے شمال ۔۔۔ ایک جاتا تھا پھٹ کے سوئے یمیں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی ۔۔۔ رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودے پہ جا کے ہو بیٹھا ۔۔۔ لوگ کرتے ہے چناں و چنیں
ناوک انداز بولا چلا کر ۔۔۔ کوئی تجھ کو جنون ہی اے مسکیں
یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے ۔۔۔ یا کہ دو بھر ہے تجکو جان حزیں
عرض کی چارہ کیا ہے اس کے سوا ۔۔۔ جبکہ جائے گریز ہو نہ کہیں
زد سے ان بے پناہ تیروں کی ۔۔۔ کہیں جان دار کو امان نہیں
مجھکو پھر کے شش جہت میں حضور ۔۔۔ امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

پولیٹکل اسپیچیں

اے بزم سفیران دول کے سخن آرا ۔۔۔ ہر خورد و کلاں تیری فصاحت پہ فدا ہے
یہ سچ ہے کہ جادو ہی بیاں میں ترے لیکن ۔۔۔ کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہے
ظاہر ہی نہ غصہ میں بیان سے تیری تجھل ۔۔۔ نے لطف میں کچھ طرز بیاں اس سے جدا ہے
ہے دل میں نہاں ایک شکایات کا طومار ۔۔۔ اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
جس صلح کی باتیں ہیں وہ ہیں شہد سے شیریں ۔۔۔ اور جنگ میں کچھ لطف سخن اس سے سوا ہے
گر سوچیئے تو سیکڑوں پہلو ہیں مفر کے ۔۔۔ اور سنیئے تو زنجیروں سے ہر قول بندھا ہے
دل کی ترے ہوتی نہیں معلوم کوئی بات ۔۔۔ گونگا نہیں گویا نہیں کیا جانیئے کیا ہے

بے تمیزی ابنائے زمان

از رہِ فخر آبگینہ سے یہ ہیرے نے کہا — ہے وجود اے مبتذل تیرا برابر اور عدم

جنس تیری کس مپرس میں قدر و قیمت تیری ہیچ — تیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ گم ہونے کا غم

دیکے دھوکا تو اگر الماس بن جائے تو کیا — امتحان کے وقت کھلتا ہے سب تیرا بھرم

مسکرا کر آبگینہ نے یہ ہیرے سے کہا — گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا اے محترم

مجھ میں اور تجھ میں مگر کر سکتے ہیں جو امتیاز — ہیں بصر ایسے اس بازارِ ناپرساں میں کم

تیرے جوہر گو نہیں موجود اپنی ذات میں — تجھ سے اے الماس لیکن اچھے پڑے رہتے ہیں ہم

ایک خودپسند امیرزادہ کی تضحیک

کہتے ہیں اک امیرزادہ کو — تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں

خصلتیں جو امیرزادوں میں — لازمی ہیں۔ وہ اس میں بھی سب تھیں

گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی — اس پہ تھا خودپسند۔ اور خودبیں

کچھ نہ تھا پہ سمجھتا تھا سب کچھ — علم تیر و کمان میں اپنے تئیں

واہ وا سنتے سنتے یاروں کی — ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں

الغرض ایک روز صحرا میں — جب کہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں

مشق تیر افگنی میں تھا مصروف — کر رہے تھے خوشامدی تحسیں

آ کے دیکھا جو اک ظریف نے حال — وجہ تحسین ہوئی نہ ذہن نشیں

تیر جتنے کمان سے چھوٹے — پائے سب بے اصول و بے آئیں

ہوتی ہے سچ کی قدر۔ پہ بیقدریوں کے بعد — اِس کے خلاف ہو تو سمجھ اس کو شاذ تو
جو قدر دان ہو اپنا اُسے مغتنم سمجھ — حالی کو تجھ پہ ناز ہے کر اُس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعان جوانی کی بہار آخر حیف — طبع رنگین تھی مے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیان — جو غزل لکھتے تھے۔ ہوتی تھی سراسر حالی
اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ اُمنگ — سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہی خالی
گر غزل لکھیے تو کیا لکھیے غزل میں آخر — نہ رہی چیز وہ مضمون سوجھانے والی
آپ بیتی نہ ہو جو۔ ہے وہ کہانی بے لطف — گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زبان ٹکسالی
ہاں مگر کیجیے کچھ عشق کا غیروں کے بیان — لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچیے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر — کیجیے درد جدائی کی کبھی نقالی
تا کہ بھڑکائیے جوانوں کے دل آتش کی طرح — وہ ہوا جس سے دماغ اپنا ہوا ہے خالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل — قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں — جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجیے
کیجیے تصنیف اور تالیف میں سعی بلیغ — اس میں اک اپنا پسینا اور لہو کر دیجیے
دیجیے معنی کے نظم و نثر میں دریا بہا — اور سخن کی داد ہر پیر و جواں سے لیجیے
اور نہ ہو گر شعر و انشا کی لیاقت آپ میں — شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجیے

حالی و زیاد و عمر بنے صاحب دیوان نام خدا
اب چاہو۔ استاد گنو یا ہمیں سمجھو تم یکتا
ہم ہیں۔ وہی ناچیز مگر کُنتُم نَا مَوتُ اَلکَبِیرا

شعر کی طرف خطاب

اے شعر دلفریب نہ ہو تو تو غم نہیں پر تجھ پہ حیف ہے۔ جو نہ ہو دل گداز تو
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو
حُسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہان کو آپ کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
تو نے کیا ہے بحرِ حقیقت کو موج خیز دھوکے کا غرق کرکے رہے گا جہاز تو
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری قبلہ ہو اب اُدھر تو نہ کیجو نماز تو
اہلِ نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
تاک اوپری دوا سے تری گر چڑھائیں لوگ معذور جان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
چپ چاپ اپنی بیچ سی کئے جا دلوں میں گھر اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو
جو نابلد ہیں اُن کو بتا چین کے راہ گر چاہتا ہے خضر کی عمر دراز تو
بلد واقف ۔۔۔ نابلد ناواقف ۔۔۔
عزت کا بھید ۔۔۔ کی خدمت میں ہی چھپا محمود جان آپ کو گر ہے ایاز تو
اے شعر راہ راست پہ تو جبکہ پڑ لیا اب رہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
کرنی ہے فتح گر نئی دُنیا تو لے نکل بیروں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو

قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانا نے ۔۔۔ کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
دیکھ لو اِن میں جتنے ہیں خط ۔۔۔ کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے ۔۔۔ دے یونہیں چھوٹے خط کو بڑھا
ایک نے ۔ جتنے خط تھے بڑے ۔۔۔ اُٹھ کے دیا ایک اِک کو مٹا
جب نہ رہا وہاں پیشِ نظر ۔۔۔ خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اُٹھا کر آنکھ جدھر ۔۔۔ تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا
کل کی ہے یارو بات کہ تھی ۔۔۔ قوم میں باقی آبان ذرا
قوم میں جیسا حال ہے اب ۔۔۔ آدمیوں کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبوں میں ۔۔۔ اخطل و اعشیٰ کے ہمتا
منشیوں میں ایسے تھے بہت ۔۔۔ جن پہ نازاں تھی اِنشا
شعر میں تھے اُستاد اکثر ۔۔۔ سحر بیان اور نکتہ سرا
لے گئی اُن کو آخر کار ۔۔۔ بحرِ فنا کی موج بہا
اہلِ ہنر کا نام و نشاں ۔۔۔ قوم میں جب باقی نہ رہا

ایسی حالت میں دیوان شایع کرنا اور شاعری کے متعلق کچھ اصول بیان نہ کرنے ایسی بات تھی جیسے چین میں عبرانی بائبل شایع کرنی اسی لئے مقدمہ میں مطلق شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے اور چند باتیں جو خاص اس مجموعہ سے علاقہ رکھتی تھیں وہ اب دیباچہ میں بیان کی گئیں۔ لیکن اگر غور کیجئے تو ان میں سے کوئی چیز بھی ضروری نہ تھی۔ مقدمہ اور دیباچہ لکھنا تو درکنار۔ سرے سے شعر کہنے ہی کی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی ؎

"آنچہ ما در کار داریم اکثرے درکار نیست"

مگر مدبر السموات والارض نے اس خرابہ آباد نما کی رونق اور بہار ہماری اسی غفلت و نادانی پر موقوف رکھی ہے کہ دن رات یا اس کے گورکھ دھندوں میں الجھے رہیں دھوکے کو حقیقت اور خواب کو بیداری سمجھیں۔ اور جس کوشش و جانفشانی کے ساتھ کہ مکڑی عمر بھر اپنے بودے اور کمزور جالے کے پورنے میں سرگرم رہتی ہے اسی کوشش و جانفشانی کے ساتھ ہم بھی اپنی بے بنیاد اور پا در ہوا عمارتیں چنتے رہیں یہانتک کہ فنا ہو جائیں ؎

ہشیار زیستن نہ ز قانون حکمت است	ایں کارخانہ کہ بنایش بہ غفلت است
وحاجۃ من عاش لا تنقضی	تروح ونغدو لحاجاتنا
ویمنعہ الموت ما یشتھی	ویسلبہ الموت اثوابہ
وتبقی الہ حاجۃ ما بقی	تموت مع المرء حاجاتہ

ؔ یہ کتاب ہمارے ہاں بقیمت عہ ملتی ہے۔ (شیخ مبارک علی)

یہ چند اصول جو اوپر بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ نکتہ چینوں کی زبان بند کرنی مقصود ہے کیونکہ جس طرح فوارہ روکنے سے زیادہ زور کے ساتھ اُچھلتا ہے اسی طرح نکتہ چینوں کی زبان بند کرنے سے اور زیادہ کھلتی ہے دوسرے نکتہ چینوں سے کان اس قدر مانوس ہوگئے ہیں کہ جس طرح توپ خانہ کا گھوڑا توپ کی آواز سے کبھی کان نہیں ہلاتا۔ اسی طرح مصنف نکتہ چینوں کے شور و غل کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ پس اُنکی زبان بند کرنے کی طاقت ہی نہ ضرورت۔ البتہ ضرورت وقت اس امر کی مقتضی تھی کہ دیباچہ میں یہ چند باتیں جتادی جائیں۔ ظاہر ہے کہ سویلزیشن جس کو شعر و شاعری کا قاتل کہا جاتا ہے۔ اس کا پرچھاواں اس ملک پر بھی پڑنے لگا ہے۔ شعر جس کو مدرسہ[1] میں لیجانے کی اجازت نہ تھی۔ اُس کو روز بروز زیادہ تر مدرسہ ہی کے ساتھ پالا پڑتا جاتا ہے۔ تعلیم ایسے عقل و دانش کے پتلے جوق جوق اور فوج فوج پیدا کر رہی ہے جو شعر کے نزدیک ذوق معنی سے ایسے ہی بے بہرہ ہیں۔ جیسے شعرا اُن کے نزدیک عقل و دانائی سے اُن پر شعر اتنا بھی اثر نہیں کرتا جتنا کہ عرب کے اونٹ پر حُدی خوان کی آواز اثر کرتی ہے غرضیکہ شاعرانہ مذاق یوماً فیوماً ملک سے مفقود ہوتا جاتا ہے اور ایسی علامتیں موجود ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ ہماری شاعری کا چراغ بہت جلد ہمیشہ کے لئے گُل ہونیوالا ہے نہ پرانی شاعری باقی رہتی نظر آتی ہے اور نہ نئی شاعری آگے چلتی معلوم ہوتی ہے

---

[1] یہ اشارہ ہے اُس مشہور مقولہ کی طرف کہ "شعر را بہ مدرسہ کہ بُرد" ؟

ہے۔ اسی طرح دیوانگی۔ نادانی۔ رندی۔ فقر۔ ذلت اور رسوائی عموماً مذموم و مردود گنی جاتی ہیں۔ لیکن شعرا اکثر اُن کے مداح رہے ہیں۔

شاعر ایک ہی چیز کی کبھی ایک حیثیت سے ترغیب دیتا ہے اور کبھی دوسری حیثیت سے اُس سے نفرت دلاتا ہے۔ وہ کبھی قدما کے مقابلہ میں اس لئے کہ وہ اُستاد اور موجد فن تھے اپنے تئیں ناچیز و بے حقیقت بتاتا ہے۔ اور کبھی اس لئے کہ اس نے اُن کی دولت میں کسی قدر اپنی کمائی بھی شامل کی ہے۔ جو اُن کے پاس نہ تھی۔ اپنے تئیں اُن پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کبھی دُنیا کی اس لئے تحقیر کرتا ہے کہ وہ دار الغرور و دار المحن ہے۔ اور کبھی اس کی بڑائی و عظمت اس لئے بیان کرتا ہے کہ وہ مزرعۂ آخرت ہے وہ کبھی ایک ہی گورنمنٹ کی خوبیوں کے سبب سے ستایش کرتا ہے۔ اور کبھی اس کی ناگوار کارروائیوں کے سبب شکایت مگر وہ کبھی ان حیثیتوں کی تصریح نہیں کرتا جن پر اُس کے مختلف بیانات مبنی ہوتے ہیں۔ جب ایک پہلو کو بیان کرتا ہے تو گویا دوسرے پہلو کو بالکل بھول جاتا ہے وہ ایک نادان بچہ کی طرح کبھی بے اختیار رو پڑتا ہے اور کبھی ہنسنے لگتا ہے۔ مگر نہ اُس کے رونے کا منشا معلوم ہوتا ہے نہ ہنسنے کا پس ممکن ہے کہ شاعر کے کلام میں ایسی بے جوڑ باتیں دیکھ کر لوگ متعجب ہوں۔ مگر جب تک شاعر کا سا دل اُن کے پہلو میں اور ویسا ہی سودا اُن کے دماغ میں نہ ہو اُن کا تعجب رفع ہونا مشکل ہے ؎

بہ زیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را نوا گران نخوردہ گزند را چہ خبر

بلکہ اُس کے کلام کی پہچان ہی یہ بتائی گئی ہے کما قال اللہ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا اگر جس طرح ایک فلسفی یا مورخ کی تصنیف میں اختلاف پایا جانا اُس تصنیف کو عیب لگاتا ہے۔ اس طرح شاعر کے کلام کو عیب نہیں لگاتا بلکہ اُس کا بیساختہ پن ظاہر کرتا ہے جس کو شاعری کا زیور سمجھنا چاہیے فلسفی یا مورخ ہر ایک چیز پر اُس کے تمام پہلو دیکھ کر ایک مستقل رائے قائم کرتا ہے اور اس لئے ضرور ہے کہ اُس کا بیان جامع و مانع ہو۔ لیکن شاعر کا یہ کام نہیں ہے بلکہ اُسکا کام یہ ہے کہ ہر ایک شے کا جو پہلو اُسکے سامنے آئے اور اُس سے کوئی خاص کیفیت پیدا ہو کر اُس کے دل کو بیچین کر دے اُسکو اسی طرح بیان کرے۔ پھر جب دوسرا پہلو دیکھ کر دوسری کیفیت پیدا ہو جو پہلی کیفیت کے خلاف ہو اُس کو اُس دوسری کیفیت کے موافق بیان کرے۔ وہ کوئی فلسفہ یا تاریخ کی کتاب نہیں لکھتا تاکہ اُس کو حقائق و واقعات کے ہر ایک پہلو پر نظر رکھنی پڑے بلکہ جس طرح ایک فوٹوگرافر ایک ہی عمارت کی کبھی روکار کا۔ کبھی پچھیت کا کبھی اس ضلع کا اور کبھی اُس ضلع کا جُدا جُدا نقشہ اُتارتا ہے اسی طرح شاعر حقایق و واقعات کے ہر ایک پہلو کو جُدا جُدا رنگ میں بیان کرتا ہے پس ممکن ہے کہ شاعر ایک ہی چیز کی کبھی تعریف کرے اور کبھی مذمت اور ممکن ہے کہ وہ ایک اچھی چیز کی مذمت کرے اور بری چیز کی تعریف۔ کیونکہ خیر محض کے سوا ہر خیر میں شر کا پہلو۔ اور شر محض کے سوا ہر شر میں خیر کا پہلو موجود ہے عقل علم۔ زہد۔ دولت عزت اور آبرو عموماً ممدوح و مقبول سمجھی جاتی ہیں مگر شعرا نے اُن کی جا بجا مذمت کی

والے تھے اور جس نے کبھی آنکھ کھول کر عالی خاندان اور شریف وپاکیزہ عورتوں کی سوسائٹی نہ دیکھی تھی۔ اُس نے میکبت۔ جولیٹ۔ کیتھراین۔ ڈزڈیمونا اور بعض اَور لیڈیوں کے ایسے اصلی کیرکٹر دکھلائے ہیں۔ جن کا اِس سوسائٹی پر جس میں اِس کی عمر گذری تھی۔ کبھی پرچھاواں تک نہ پڑا تھا۔ ایران میں فردوسی اور ہندوستان میں اَنیس رزم کے بیان میں صدہا باتیں اَیسی ٹھکانے کی لکھ جاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ یہ واقعات گویا خود ان پر گذرے تھے۔

اِس عذر سے اگرچہ کسی قدر شاعر کی برأت ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی اُس کو واعظ یا ناصح کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ ناصح کی غرض براہ راست ارشاد وہدایت ہوتی ہے بخلاف شاعر کے کہ اُس کا اصلی مقصود فطرت انسانی کی کریدنا اور واقعات سے متاثر ہوکر دل کی بھڑاس نکالنی ہے اَور بس۔ وہ کسی کے سمجھانے کے لئے نہیں چلاتا۔ بلکہ خود کچھ سمجھ کر چیخ اُٹھتا ہے ؎

ناصح مشفق ہیں یاروں کے نہ مصلح اور مشیر ۔۔۔ درد مند اُن کے نہ اُنکے درد کے درماں ہیں ہم
پھوٹ پڑتے ہیں تماشا اِس چمن کا دیکھ کر ۔۔۔ نالۂ بے اختیارِ بلبل نالاں ہیں ہم

پس اگر شاعر کا کوئی قول اُس کے فعل کے برخلاف پایا جائے تو اُس کو واعظ یا ناصح قرار دیکر یہ الزام دینا نہیں چاہئے کہ اَتَأمُرُونَ النَّاسَ بِالبِرِّ وَتَنسَوْنَ اَنفُسَکُم بلکہ اُس کی طرف سے یہ عذر کرنا چاہیئے کہ اِنَّھُم یَقُولُونَ مَا لَا یَفعَلُونَ ؎

انسان کے کلام میں کہیں کہیں اختلاف یا تناقض پایا جانا ایک ضروری بات ہے

تصویر کھینچکر دکھاتا ہے۔ اور گھر کے بھیدی کی طرح چھپے رُستموں کے پترے کھولتا ہے۔ اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ وہ زیادہ تر اپنے ہی عیب اوروں پر دھر کر ظاہر کرتا ہے۔ ہر بدی اور گناہ کا نمونہ کم یا زیادہ۔ پوشیدہ یا علانیہ انسان کے نفس میں موجود ہے۔ پس اگر بدی یا گناہ کے متعلق کوئی پتے کی بات شاعر کی قلم سے مترشح ہو تو جاننا چاہیئے کہ وہ اپنے ہی نفس کی چوریاں ظاہر کر رہا ہے ؎

ہیں عاشقی کی گھاتیں معلوم اسکو ساری　　حالی سے بدگمانی بیجا نہیں ہماری

شاید اس موقع پر شاعر کی طرف سے یہ عذر ہو سکے کہ اس میں فطرت انسانی کے دقائق و غوامض سمجھنے کا ایک خداداد ملکہ ہوتا ہے۔ جس کی مدد سے بعض اوقات ایک رند مشرب اور خراباتی شاعر جس پر پرہیزگاری کی کبھی چھینٹ نہ پڑی ہو وہ پرہیزگاروں کی سوسائٹی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ دیتا ہے کہ خود اس سوسائٹی کے ممبر بھی اپنی سوسائٹی کا ویسا نقشہ نہیں کھینچ سکتے۔ اسی طرح ایک دوسرا شاعر جس نے پرہیزگاروں اور پارساؤں کے حلقہ سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا وہ رندوں اور اوباش کی صحبتوں کا ایسا چربا اتار دیتا ہے کہ گویا انہیں میں سے ایک نے اپنی حالت کی تصویر کھینچی ہے ابونواس نے بارہا خلیفہ سے ایک مصرع سُن کر جس میں رات کے تخلیہ اور عیش و عشرت کی صحبت کی طرف ایک اجمالی اشارہ ہوتا تھا۔ اس مصرع کی تضمین میں ایسے واقعات بیان کر دیئے ہیں۔ کہ خلیفہ متعجب ہو کر بیساختہ یہ کہہ اُٹھتا تھا قاتلک اللہ کانک کنت ثالثنا شکسپیر جس کے ہمراہی ہرن کا شکار کھیلنے والے اور تماشا کرنے

ایک نئی صورت میں جلوہ گر کیا گیا۔ بعض قطعات و رباعیات میں اخلاقی مضامین کنایہ میں ادا کئے گئے۔ جو شاید کہیں کہیں مطائبہ کی حد کو پہنچ گئے ہوں۔ مگر انوری وسعدی و شفائی کے مطائبات کے آگے یقیناً بے نمک معلوم ہوں گے۔ ریا و مکر و سالوس و عجب و خود پسندی اور اسی قسم کے اخلاق واعظ و زاہد و صوفی و شیخ و مُلا پر ڈھالے گئے۔ نہ اس لئے کہ نعوذ باللہ اس فرقۂ علیّہ کی مذمت مقصود تھی، بلکہ اس لئے کہ ان اخلاق کے بیان کرنے کا اس سے واضح تر کوئی عنوان نہ تھا۔ سیاہی کا دھبا جیسا اُجلے کپڑے پر صاف نمایاں ہوتا ہے ایسا میلے کپڑے پر نہیں ہوتا۔ ظلم اور بے انصافی کے مرتکب اپنی اپنی طاقت کے موافق فقیر اور بادشاہ دونوں ہوتے ہیں۔ مگر جب ظلم کو زیادہ ہولناک صورت میں دکھانا منظور ہوتا ہے تو ہمیشہ سلطنت کے لباس میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ریا و عجب و خود پسندی اگرچہ ہر فرد بشر میں کم و بیش پائی جاتی ہے۔ مگر جب اُس کو علم و زہد و مشیخت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ تو وہ زیادہ تعجب انگیز اور ڈراونی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور یہی شاعری کی علت غائی ہے +

شاعر جب اخلاقی مضامین بیان کرتا ہے تو اُس کو بضرورت اکثر نصیحت و پند کا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہے اس لئے ہم کو بھی کہیں کہیں ناصح بنتا پڑا ہے۔ مگر اصلی ناصح کی نصیحت اور شاعر کے ناصحانہ بیان میں بہت بڑا فرق ہے اصلی ناصح خود برائیوں سے پاک ہو کر اوروں کو ان سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ مگر شاعر چونکہ بُرائیوں کی بُو بُو

وجود میں لا سکے۔ اس کی بڑی دوڑ یہی ہے کہ وہ موجودات میں سے چند چیزوں کو ترکیب دیکر
اُس میں ایک نئی صورت پیدا کرے۔ بس جس طرح معمار عمارت تیار کرنے میں اینٹ مٹی اور
چونہ کا یا بڑھئی ایک تخت کے بنانے میں لکڑی اور لوہے کا محتاج ہے اسی طرح ضرور ہے کہ شاعر بھی
کسی شعر کے ترتیب دینے میں کسی ایسے مصالح کا محتاج ہو جو اینٹ اور مٹی یا لکڑی اور لوہے کی
طرح نفس الامر میں موجود ہو۔ وہ مصالح کیا ہے؟ یہی دنیا کے حالات جو روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے
گذرتے ہیں خواہ وہ انسان سے علاقہ رکھتے ہوں۔ یا زمین۔ آسمان۔ چاند سورج۔ پہاڑ اور دریا جیسی
شاندار چیزوں سے یا پتھر۔ لکڑی اور بھنگے جیسی بے حقیقت چیزوں سے۔ پس جس شاعر نے اِن حالات کو معمولی
باتیں سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور شعر کی بنیاد محض فرضی اور ناممکن باتوں پر رکھنی چاہی۔ اس کی مثال
اُس معمار کی سی ہوگی۔ جو عمارت بنانے کے لئے اینٹ اور مٹی کی کچھ ضرورت نہیں سمجھتا
بلکہ ایسے مصالح کی ضرورت سمجھتا ہے۔ جس سے عمارت تیار نہیں ہو سکتی ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی — کایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

الغرض جب سے شاعری کی لے کھلی معمولی افکار چھوڑ کر عنقا کی گھات میں بیٹھنا اور
زمین پر ساگ پات کے ہوتے آسمان سے نزول مائدہ کا انتظار کرنا چھوڑ دیا زمانہ کے
حالات دیکھ کر جو کیفیتیں نفس پر طاری ہوتی رہیں۔ اور جن واقعات کے سُننے سے دل پر
چوٹ لگتی رہی۔ اُن کو وقتاً فوقتاً اپنے سلیقہ کے موافق شعر کا لباس پہناتے رہے
بعض خیالات بحسب ضرورت وقت اقوال سلف یا حکایات سلف سے اخذ کئے
گئے۔ کہیں اُن کو اپنے حال پر رہنے دیا۔ اور کہیں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرکے

کبھی کان آشنا نہ ہوئے ہوں اَور وہ یہ سمجھ کر بے اختیار پکار اٹھیں کہ. ھٰذَا الَّذِی رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ پس اُن کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ بیشک طرز ادا میں جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا وہ بہت کم فرق پائیں گے۔ مگر خیالات میں ذرا بھی غور فرمائیں گے۔ تو ان کو ایک دوسرا عالم نظر آئے گا۔ وہ دیکھیں گے۔ کہ گو محمل نہیں بدلے مگر محمل نشین بدل گئے ہیں۔ اَور گو پیالے وہی ہیں مگر شراب اَور ہے۔

نئے خیالات سے ایسے خیالات ہرگز مراد نہیں ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گذرے ہوں۔ یا کسی کے ذہن کی اُن تک رسائی نہ ہو سکے۔ بلکہ ایسے خیالات مراد ہیں۔ جو شاعر و ناشاعر کے دل میں ہمیشہ گذرتے ہیں۔ اَور ہر وقت اُن کے پیش نظر ہیں۔ مگر اِس وجہ سے کہ وہ ایسے پامال اَور مبتذل ہیں۔ اُن کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ اور اُن کی طرف بہت کم التفات کیا گیا۔ اَور پایۂ شاعری کو اُن سے وراء الورا سمجھا گیا ہے لیکن فی الحقیقتہ شاعری کا بھید انہیں مبتذل خیالات میں چھپا ہوا تھا جو بسبب غایت ظہور کے لوگوں کی نظر سے مخفی تھا ؎

دیکھ اے بلبل فراگبن کو آنکھیں کھول کر پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے

انسان میں جیسا کہ ظاہر ہے ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو عدم محض سے

؎ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب اہل جنت کو کوئی جنت کا پھل کھانے کو دیا جائیگا۔ تو وہ کہیں گے ھٰذَا الَّذِی رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (یعنی یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا) کیونکہ جنت کے میوے صورت میں یکساں معلوم ہونگے۔ مگر ہر ایک کا مزا اور لذت جُدا ہوگی ۱۲

خیالات کے ساتھ طرزِ بیان نہیں بدلتی۔ گاڑی کی رفتار میں فرق آجاتا ہے۔ مگر پہیا اور دھرا بدستور باقی رہتا ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے خیالات بہت کچھ بدل دیئے تھے مگر اسلوبِ بیان میں مطلق فرق نہیں آیا۔ جو تشبیہیں اور استعارے پہلے مدح، ہجا، غزل اور تشبیب میں برتے جاتے تھے وہی اب توحید۔ مناجات۔ اخلاق اور موعظت میں استعمال ہونے لگے۔ خاصکر شعر میں اس بات کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ متاخرین قدیم شعرا کے بعض خیالات کی پیروی سے دست بردار ہو جائیں مگر اُن کے طریقۂ بیان سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ جس طرح کسی غیر ملک میں نئے وارد ہونے والے سیاح کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک میں روشناس ہونے اور اہلِ ملک کے دل میں جگہ کرنے کے لئے اسی زبان میں گفتگو کرنی سیکھے۔ اور اپنی وضع صورت اور لباس کی اجنبیت کو زبان کے اتحاد سے بالکل زائل کر دے۔ اسی طرح نئے خیالات کے شاعر کو بھی سخت ضرورت ہے کہ طرزِ بیان میں قدما کی طرزِ بیان سے بہت دُور نہ جا پڑے۔ اور جہاں تک ممکن ہو اپنے خیالات کو انہیں پیرایوں میں ادا کرے۔ جن سے لوگوں کے کان مانوس ہوں۔ اور قدما کا دل سے شکر گذار ہو جو اُس کے لئے ایسے منجھے ہوئے الفاظ و محاورات و تشبیہات و استعارات وغیرہ کا ذخیرہ چھوڑ گئے ٭

کچھ تعجب نہیں کہ اس مجموعہ کو اور نیز اُن نظموں کو جو پہلے شائع ہو چکی ہیں دیکھکر ناظرین کو یہ خیال پیدا ہو۔ کہ ان میں نئی کون سی بات ہے؟ نہ خیالات ہی ایسے اچھوتے ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گذرے ہوں۔ اور نہ طرزِ بیان ہی میں کوئی ایسی جدت جس سے

کم نہ تھا۔ جو کلمبس امریکا دریافت کر کے اِزبلا کے دربار میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ بس یہ تمام مجموعہ جس میں کچھ نئے اور کچھ پرانے خیالات شامل ہیں۔ ایک امید موہوم پر کہ دیکھئے مردود ہو یا مقبول۔ ملک کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور پہلے اس سے کہ کوئی ہم پر ہنسے۔ ہم اپنے دعووں پر آپ ہنستے ہیں ◆

شاید ناظرین کو پچھلے زمانہ کے خیالات میں پہلے زمانہ کی بہ نسبت حقایق و واقعات کا کچھ زیادہ جلوہ نظر آئے۔ اور جیسی کہ امید کی جاتی ہے۔ اِن خیالات کو سچی شاعری کا نمونہ تصور کیا جائے۔ مگر یہ بات کہ جیسے یہ خیالات کانوں کو سچے معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے سچے دِل سے بھی نکلے ہیں یا نہیں خود ہم کو بھی معلوم نہیں۔ تا بدیگران چہ رسد۔ جیسا کام محض سچے جوش اور ولولہ سے ہوتا ہے۔ ویسا ہی بلکہ بعض اوقات اُس سے بہتر محض شہرت اور ناموری کی خواہش۔ تحسین و آفرین کے لالچ۔ جذب منفعت کی توقع۔ یا کم سے کم اپنا دل خوش کرنے کے خیال سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور خود کرنیوالے کو اپنے کام کا منشا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگرچہ ہم اُس وقت نہ ہونگے مگر زمانہ سچ اور جھوٹ کو اور دودھ اور پانی کو الگ کئے بغیر نہ رہے گا۔ سچ پھولے گا اور پھلے گا۔ اور جھوٹ برسات کے سبزے کی طرح جلد نیست و نابود ہو جائے گا ؎

وَكَمْ قَدْ رَاَيْنَا مِنْ فُرُوْعٍ كَثِيْرَةٍ ۔ تَمُوْتُ اِذَا لَمْ تُحْيِهِنَّ اُصُوْلُ[1]

ناظرین کو معلوم رہے کہ جب کسی ملک یا قوم یا شخص کے خیالات بدلتے ہیں۔ تو

[1] ترجمہ ہم نے وہ شاخیں اکثر سوکھتی دیکھی ہیں جن کی جڑیں اس قابل نہ تھیں کہ اپنی شاخوں کو سرسبز رکھ سکیں۔

کچھ بچے کھچے متفرق اور پراگندہ خیالات باقی ہیں۔ جن میں سے کسی قدر قطعہ و رباعی کے لباس میں اور کچھ غزل کے روپ میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ اِن کے سوا چند ترکیب بند ایک آدھ مسمط۔ کچھ قصیدے اور کچھ تاریخیں ہیں۔ جن میں سے اکثر خاص خاص طور پر وقتاً بعد وقتٍ شایع ہو چکی ہیں۔ لیکن مصنف کی طرف سے عام طور پر پبلک کی نذر نہیں ہوئیں پہلا کلام جو عالم صبیٔ و نادانی یا خلاصۂ زندگانی کی نشانی ہے۔ وہ بھی کسی قدر تلف ہو جانے کے بعد جس قدر بچا ہے ابتک محفوظ ہے۔ انسان کی طبیعت کا مقتضا ہے کہ جو کام اُس کی تھوڑی یا بہت کوشش سے سرانجام ہوتا ہی۔ عام اس سے کہ اچھا ہو یا بُرا اور پسند کے لائق ہو یا نہ ہو وہ اُس کو بڑے فخر کے ساتھ پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ اور خاص و عام سے اپنی کوشش کی داد چاہتا ہے۔ جس فخر کے ساتھ وہ اعرابی[1] جس نے کبھی آب شیریں کا مزا نہ چکھا تھا۔ ایک کھاری پانی کے چشمہ سے مشک بھر کر ہارون رشید کے دربار میں بطور سوغات کے لے گیا تھا۔ وہ اُس فخر سے

---

[1] یہ ایک مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے یعنی رشید کے زمانہ میں ایک بدوی جس نے کبھی دجلہ کے شیریں پانی کا مزا نہ چکھا تھا۔ اس کو صحرا میں ایک چشمہ ملا جس کا پانی اگرچہ دجلہ کے پانی سے کچھ نسبت نہ رکھتا تھا لیکن جیسا شور پانی کہ وہ بدوی ہمیشہ پیا کرتا تھا۔ اس سے کسی قدر میٹھا تھا۔ وہ خوشی خوشی اسکی ایک مشک بھر کر بغداد میں پہنچا اور خلیفہ کے دربار میں اسکو بطور ایک علق نفیس کے پیش کیا خلیفہ نے اسکو چکھا تو بالکل کھاری پانی تھا مگر اسکی بدمزگی بدوی پر ظاہر نہیں ہونے دی اور اسکو انعام دیکر رخصت کیا اور حکم دیدیا کہ یہ شخص دجلہ کا پانی نہ پینے پائے۔ ورنہ اپنے دل میں شرمندہ ہوگا۔ ۱۲

کی ہمواری اور رہ گذر کی فضا چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے کا کبھی خیال بھی نہ آیا مگر جب آفتاب عمر نے پلٹا کھایا اور دن ڈھلنا شروع ہوا، تمام سیمیائی جلوے جو خواب غفلت میں حقائق سے زیادہ دلفریب نظر آتے تھے۔ رفتہ رفتہ کافور ہونے لگے غزل و تشبیب کی اُمنگ انفعال کے ساتھ بدل گئی۔ اور جس شاعری پر ناز تھا اُس سے شرم آنے لگی۔ ہر چند سمجھا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب آئے ہیں۔ مگر یہی جواب دیا گیا۔ کہ غزل کہنے کے دن اب گئے۔

یَقُولُونَ ھَلْ قَبْلَ الثَّلٰثِیْنَ مَلْعَبٌ   فَقُلْتُ وَھَلْ بَعْدَ الثَّلٰثِیْنَ مَلْعَبٌ[1]

جو لوگ عاشقانہ گوئی کے چٹخارے سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خون جہاں منہ کو لگا پھر ذرا مشکل سے چھٹتا ہے مگر زمانہ کی ضرورتوں نے یہ سبق پڑھایا کہ دلفریب مگر نکمی باتوں پر آفرین سے دلشکن مگر کام کی باتوں پر نفرین سننی بہتر ہے اور حالتِ وقت نے حکم دیا کہ پروانہ بلبل کی قسمت کو بہت رو چکے کبھی اپنے حال پر بھی دو آنسو بہانے ضرور ہیں

یک رہ بحالِ خویش ہم آخر تواں گریست   تا چند بر فلان و بہ بہمان گریستن

کچھ نظمیں قوم کی حالت پر لکھی گئیں۔ بعضوں نے پسند کیں اور بعضوں نے ناپسند مگر چوٹ سب کے دل پر لگی۔ کہانی بے مزہ تھی مگر آپ بیتی۔ اور باتیں اوپری تھیں مگر پتے کی جو نظمیں کسی قدر طولانی تھیں۔ وہ تقریباً تمام چھپ چکی اور شائع ہو چکی ہیں۔ اب زیادہ تر

---

[1] یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس سے پہلے ہے؟ سو میں نے ان سے کہا کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس کے بعد ہے؟"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

کچھ کذب افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے — یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

ایک زمانہ تھا کہ شاعری اور عشق یا تعشق کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے اور ایسا سمجھنا کچھ بیوجہ نہ تھا۔ اول تو شعر کا حدوث ہی دنیا میں اس جوش اور ولولہ سے ہوا ہے جو عشق اور محبت کی بدولت انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور شعر کی ذات میں جو ایک آتشگیر مادہ ہے۔ وہ بھی اپنے مشتعل ہونے میں کسی آگ کی اشتعال کا محتاج ہے۔ پھر قوم[1] کا کلام بھی جہانتک دیکھا گیا ہے۔ اسی خیال کی تائید کرتا تھا۔ باایںہمہ حداثت سن یہ کب اجازت دیتی تھی کہ شاہد رعنائے سخن کا نظارہ ایک پیرزال کی صورت میں کیا جائے اور شراب ارغوانی کی جگہ سرکۂ بے نمک سے ضیافت طبع کی جائے۔ غرضیکہ ایک مدت تک یہ حال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا بلکہ جس شعر میں یہ چاشنی نہ ہوتی تھی۔ اس پر شعر کا اطلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ خود بھی جب کبھی بیہودہ اچھل آنکھیں بند کیں اور اسی شارع عام پر پڑ لئے جس پر رہگیروں کا تانتا بندھا ہوا تھا "قافلہ کا سا تھ راہ

---

[1] قوم سے یہاں اس کے متعارف معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں قوم سے مراد شعرا ہیں +

دیوانِ حالی

مصنفہ

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی مرحوم

جس میں

قطعات غزلیات قصیدے مرثیے ترکیب بند رباعیاں

تاریخیں اور متفرق اشعار شامل ہیں

نے

شیخ مبارک علی تاجر کتب

اندرون لوہاری دروازہ لاہور